

86007

مقت ۳۵
مقت

جلد ۶
الفروق
نفس

مصنف

میرزا حیرت دہلوی

بابت ماہ نامہ المذم ۱۳۱۷ھ

فیست نامہ مصنف

ماہواری چارچرو

درکرن بریں واقع دہلی بطبع مطبعہ متین جہان شہ

جملہ حقوق بذریعہ جہشری محفوظ ہیں

ایست فی ماہ

W

1

علم اُن کے لئے حقیقی بن سکتا ہے جو اُس سے خبرت حاصل کرنا چاہتے ہیں اس میں احتیاط اور محتصری کی ضرورت ہے۔ اور اگر محتصری اور احتیاط سے کام نہ لیا گیا تو حقیقت بھی جاننے کے درجہ پر پہنچ جاتی ہے اور پھر اُس سے بھی گرجاتی ہے۔

علم کا سرشمہ اور علم کی محک دو مختلف چیزیں ہیں۔ سابق الذکر سے ہم علم کو حاصل کر سکتے ہو اور آخر الذکر سے اس کی پرکھ سکتے ہو۔ یہ یقین کہ تمہارا سرشمہ علم حقیقی ہے محض ایک قیاس ہی قیاس ہے اور اس خیال کا سلفہ یہی ہے اسلئے کہ یہ سب جانتے ہیں کہ انسان خطا اور زیان سے بنا ہوا ہے۔ سرشمہ علم میں خود ایک حقیقت موجود ہے ہاں جو علم اس سے پیدا کیا جاتا ہے زیادہ تر اُس کا اختصار و مختصری ہو جاتا ہے جس درجہ کی محتصری ہو اسی قدر اُس سے خبرت حاصل ہوگی۔ البتہ ہم بجائے خود حق ہو سکتا ہے مگر وہ علم جو ہم اُس سے حاصل کرتے ہو محض تعصب ہو سکتا ہے یا محض مذہب ہی ہو سکتا ہے پہلی تمہارا مذہب محض تعصب بن سکتا ہے۔ دوسری استدلال بجائے خود حق ہے اور پھر بھی ہمارا استدلال خیال جہل بن سکتا ہے۔ ایسا رہنا کہاں ہے کہ دانش دانوں کی راہ مستقیم کی طرف نہ مائل کرے۔ وہ محک کہاں ہے جو صداقت کو تمام خیالی ناسبتوں سے علیحدہ کر کے نکال لے۔ وہ دنیا دکھاں ہے جہاں مختلف خیالات کے لوگ دو شانہ طور پر اپنی عمارتیں بنائیں ایک دوسرے کے مدد و معاون نہیں اپنی اغلاط کی اصلاح کریں۔

کیا یہ وقتی بات نہیں ہے کہ مغربی علم طبیعی کے ماہروں نے سائنس کے اس پہلے مسئلہ کی طرف تعلق توجہ نہیں کی ہے جبکہ دینی مباحثے میں کہ ہم نے سائنس کو تکمیل کی حد تک پہنچا دیا ہے موجودہ ماہران علم طبیعی فلاسفہ اور مذہبی سرگروہوں نے سائنس کے اس وسطی پہلو سے باطل اپنا پہلو بچا یا ہے اور خیر شل شراؤں کے ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو رہے ہیں غالباً پہلے یہ بات ہرگز نہ تھی۔ روحانی حکمائے جہاں طبعاً اور فلسفہ کو دیکھا ہے وہاں مذہب کی مہی پہلو بہ پہلو رکھ کے جانچ کی ہے۔ سب سے پہلے انہوں نے اسی اہم ضروری مسئلہ کی چھان بین کی اور اس کی کامل تحقیقات کے بعد مخلوق کے لئے حقیقت اور معرفت کے سستے کھول دیئے۔ ان روحانی حکماء کی تعلیم کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھو۔ انہیں روحانیات ہی کا علم نہیں تھا بلکہ وہ فلسفہ اور طبیعیات کو بھی جوتی جانتے تھے۔ فلسفہ علم کی اُس شاخ کو کہتے ہیں جو ان مشروط صداقتوں اور اشکال کی تعلیم کرتی ہے جو غیر مشروط صداقت یا حقیقت میں نہاں ہیں۔ غیر مشروط صداقتوں کو عام طور پر یقینیت مشروط صداقتوں کے جانا گیا ہے۔ ہم یہاں صداقت کا لفظ اس کے عام معنی میں استعمال کرینگے تاکہ طرفین کی غلط فہمی دور ہو سکے اور غیر مشروط صداقت کا بطور روح صداقت امتیاز ہو سکے۔ فلسفہ کی اب یہ تعریف ہوگی فلسفہ علم کی وہ شاخ ہے جو روح صداقت کی تعلیم کرتا ہے اور تمام صداقتوں کی اُسی کی ذات سے کشمکشیں ہوتی ہے۔ اگر آپ روح صداقت کو جاننا چاہیں تو آپ کو لانا ہے کہ آپ اُس صداقت کو جانیں جو روح صداقت کے لقب سے ملحق ہوتی ہے۔

روح صداقت کسے کہتے ہیں۔ یا جس طرح ایک فلسفی بتا رہا ہے حقیقت اور اس بات جو تمام اشکال و معادلات طبعیات میں پنہاں ہے کیا چیز ہے؟ مغربی فلاسفہ نے نہایت تندہی سے اس مسئلہ کو چھٹا ہوا ہے اور بڑی دشواریوں کے بعد نتیجہ نکالا ہے کہ مادہ سے نہ ضمیر ہے۔ اس نتیجہ پر بہت بڑی بڑی جنہیں ہوئیں اور خوب رن و فوج ہوا اخیر اس زمانہ کے مسلم فلاسفہ نے اسے تسلیم کر لیا۔ اگر ہم ان کی رایوں کی بطور خوب جانچ و پڑتال کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اختلاف رائے بہت بڑا ہے۔ بعض کا تو یہ خیال ہے کہ روح صداقت کا کوئی پتہ ہی نہیں لگا سکتا کیوں کہ یہ مادہ ہے کہ اسے کوئی جان سکے اور نہ ضمیر ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر روح صداقت علم میں آنے کے قابل ہوتی تو کیا تو یہ ضمیر ہوتی یا مادہ ہوتی مگر ایسا خیال کرنا ہماری کم فہمی ہے۔ یہ کیوں کہ قید لگائی جا سکتی ہے کہ جو چیز مادہ اور ضمیر دونوں ہی نہ ہو کبھی اس کا علم نہیں ہو سکتا صرف ایک قیاس پر ہم اپنے تفحص کو کیوں معینہ کر دیں۔ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ لوگ جو اس خط سے بھلا لگ کے آگے بچھے ہیں اس کی نسبت ان کی کیا رائے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ روح صداقت مثل مطلق قانون کے جانی جا سکتی ہے۔ یہ مادہ ہے نہ ضمیر ہے بلکہ کبھی تو یہ حیثیت مادہ کے حیات کی ناجبجی سطح پر اپنے کو نمایاں کرتی ہے اور کبھی حیثیت ضمیر کے کئی کی داخلی سطح پر نمایاں ہوتی ہے۔ اب یہ سمجھنا چاہئے کہ انسان کا ضمیر کس قسم کا ہو جو اس قانون کا علم حاصل کرے جس قانون کو ضمیر سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے جس چیز کی کہ انسان جان کر سکتا ہے یہ وہی چیز ہو سکتی ہے جس کا تعلق ضمیر سے ہو یا جو ضمیر کا ایک جز ہو۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ قانون کی جانچ ضمیر کر سکتا ہے تو پھر قانون کا مطلق ہونے کی صفت زائل ہوتی ہے اور مطلق کے لفظ میں تباہی مکنی پیدا ہو جاتا ہے سوال صرف یہ ہے کہ ضمیر قانون کا کیوں کر ادراک کرے جبکہ قانون اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ یہ نہایت ہی مشکل بات ہے اور قرب قرینہ مسئلہ لائل سا معلوم ہوتا ہے تاہم اس پر بحث کی جاتی ہے شاید۔ ایک حد تک سلجھ جائے اور کسی درجہ تک سمجھ میں آجائے۔ وجہ کیا کہ ہم مطلق قانون کو غیر شرط و صلاقت نہ کہیں جبکہ گزشتہ زمانہ میں اس کی ہستی بھی موجودہ زمانہ میں یہ موجود ہے اور کس طرح آئندہ زمانہ میں بھی یہ قائم رہے گا یہ گمان بھی ہے اور غیر تبدیل بھی ہے اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ قانون ہی روح صداقت ہے اور ہم مذکورہ بالا استدلال سے اسے معیار صداقت کہتے ہیں دوسرا پہلو یہ ہے کہ علمی تحقیقات میں صداقت کی معیار کو استعمال کرنے کا طریقہ ہے۔ اس کی ہم یوں توضیح کریں گے کہ ہم نے اور اک سے ایک حادثہ طبیعی کو وقوع پذیر ہوتے ہوئے دیکھا اگر ہم ہمیشہ اسے یوں ہی نہ ملاحظہ پذیر ہوتا ہوا دیکھیں تو ہمارا یہ ادراک بجائے خود ایک صداقت ہے۔ کسی خاص امر میں ہمیں استدلال سے ایک نتیجہ معلوم ہو گیا تو یہ استدلال ہمارا اس وقت تک صحیح ہے کہ جب تک اس سے ایسے ہی نتائج پیدا ہوتے ہیں ایک عقیدہ ہو جو اصول قائم کیا گیا ہے وہ حق ہے بشرطیکہ وہ عقیدہ اس اصول میں قضیہ مطلق ہو۔ ایک مصنف کی رائے حق ہے بشرطیکہ وہ مصنفین بھی اس کی رائے سے اتفاق کریں۔

اگر ایک حادثہ طبیعی کا وقوع خاص حالتوں میں بیان کیا جائے مگر یہ دوبارہ اس کا وقوع ان ہی حالتوں

میں نہ ہو خواہ وہ حادثہ طبعیہ خیالی ہو یا ان حالتوں کی توضیح کرتا ہو جن میں اس کا وقوع ہوا ہے وہ کبھی بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔

اگرچہ عالم ایک ہی اصول سے مختلف نتائج پیدا کریں ان کی منطق غیر قابل یقین اور ان میں سے ایک بھی راہ حق پر نہیں ہے جب تک ان میں سے ایک عالم پر ثابت نہ کر دے کہ یا ایمان نہ علمائے منطق میں یہ غلطی کی ہے۔

اگر ایک ہی پہلو مختلف لوگوں کے مختلف عقائد ہوں تو سمجھ لو کہ یہ سب عقائد باطل ہیں۔ ایک شخص کو جو یہ دعویٰ کرتا ہو کہ میرا عقیدہ حق ہے یہ ثابت کرنا چاہئے کہ ان وجوہات سے اوروں کے عقائد باطل ہیں بعض کا یہ خیال ہے کہ صداقت جماعت سے پیدا ہوتی ہے یعنی ایک کثیر گروہ کی کسی خاص مسئلہ پر کوئی رائے ہو تو ہرگز اس بات کو ثابت نہیں کر سکتا کہ وہ مسئلہ حق ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ چند آدمیوں کا خیال بمقابلہ گروہ کثیر کے ہمیشہ ہی غلط ہو۔ ہمیں روشنی دینی سے ہر ایک کی غلطی کو جاننا چاہئے اور ہر ایک کے عقاید کی مابین چھاننی چاہئے یہ فی تحقیق ایک دشوار گزار مرحلہ ہے اور اس کا طے کرنا ایک ٹھن کام ہے۔

مسئلہ دوم

ایک عالم کے لئے سب سے زیادہ ضروری امر یہ ہے کہ وہ مسیحا صلاقت کی مابین چھانے جس کا بھی ہم بیان کر چکے ہیں۔ دوسرا مسئلہ جو اس کے لئے بہت ہی ضروری ہے وہ ایسا طریقہ تحقیق ہے جو عام فہم اور عام پسند کے جب تک وہ اپنے طریقہ تفحص میں صراط مستقیم نہ پیداکرے گا کبھی مخلوق کی طبائع سے قبول نہیں کی گئی پھر ایسا کوئی طریقہ پسند کرنا چاہئے یا بالفاظ دیگر علمی تحقیقات کا بہترین طریقہ کونسا ہے؟ یہ سوال ہے جو اس وقت پیش نظر ہے

بعض علما کا بیان ہے کہ قاعدہ استقرانی کو قاعدہ علمی کہتے ہیں اسکے علاوہ اور تمام قاعدے لغو اور بے بنیاد ہیں۔ علما کا دوسرا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ علم استقرانی سے صرف صداقتوں کی مابین جان سکے ہیں جس حیات و ضمیر کے ضروری مسائل کا بہت تعلق ہے غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ علم استقرانی کے معترفوں میں ایک غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے اور اس لئے علوم جدیدین کے ماہروں سے صراط مستقیم بہت دور ہو گئی ہے۔ ان کا یقین ہے کہ علوم جدیدہ خالص استقرانی ہیں۔ ایسے یقین کی بنیاد کسی عمدہ اصول پر نہیں معلوم ہوتی تفحص کے ضروری قواعد کی بنا پر علوم جدیدہ نے کامیاب ترقی کی ہے لیکن وہ قواعد جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں استقرانی نہیں ہیں۔ یہ ایک پیچیدہ قاعدہ ہے جس کی استقرانی اشکال سمجھ میں۔ اگر ہم بھی نفس لبر کہ علوم جدیدہ کا قاعدہ خالص استقرانی ہے پھر بھی اس سے یہ توہرگز لازم نہیں آ سکتا کہ اور قاعدے جو اس کے علاوہ ہوں لغو ہیں۔ علم کی روح کو تفحص کے دوسرے طرق کے ساتھ کچھ مہارت نہیں ہے۔ بلکہ تحقیق

کی ہر شاخ میں علم و اوقات کے سلسلہ تکثاف کا نام ہے۔ جو قاعدہ تحقیق کی خواہ کسی شاخ میں واقعات کی سلسلہ توضیح تکثاف کی طرف رہنمائی کرے وہ بھی علمی قاعدہ ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ایک شخص نے اپنی تحقیق میں دوسرے قواعد سے کام لیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک قاعدہ غلط قرار دیا جائے اور صرف ایک ہی قاعدہ یا طریقہ برصداقت کی فہرگ جائے۔ قدیم حکما کی ذہنی نادانی معنی کائناتوں نے استقرائی قاعدہ کو لغو ٹھہرایا تھا اور موجودہ حکما کی یہ حماقت ہے کہ انہوں نے قیاسی کو پھر درپہنچ سمجھ کر کہا ہے۔ ہم سے بیان کیا جائے کہ قیاسی قواعد اس لئے لغو ہیں کہ یہ علمی بنیاد پر نہیں ہیں۔ یہ ہم قبول کرتے ہیں کہ اگر قیاسی قواعد علمی بنیاد پر نہ ہوں تو انہیں ضرور لغو ہونا چاہئے۔ کیوں کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ قاعدہ علمی بنیاد پر نہیں ہے تو وہ آپسے آپ منہ ہوا۔ اس کی لغویت سے کون انکار کر سکتا ہے۔

اب ہم علم کے قواعد کی جانچ کرتے ہیں کہ اس میں کسی قسم کے تعصب یا خود رانی کو دخل نہیں دینگے بلکہ علم کے ہر طریقہ کی انصاف سے جانچ کریں گے۔ یہ عالمگیر غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے کہ تمام قیاسی علوم غیر مستحق نتائج سے پیدا ہوتے ہیں تحقیق کی وہ شاخ جو محض قیاس کے ذریعہ سے پیدا ہوتی ہے کبھی علمی نہیں ہو سکتی۔ ایسی تحقیق کے نتائج لغو ہوں گے تاہم اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ محض قیاسی طریقہ لاطائل بنیاد پر نہیں ہے۔ ہر تحقیق میں دو ضروری امور غوطہ ہیں اول تو وہ طریقہ اور پھر وہ مواد جس پر اس کی بنیاد اس صورت میں اگر مواد وہ نہیں ہے جو ہونا چاہئے تھا تو یہ محض ایک قیاس ہی قیاس سے خواہ کتنا ہی عمدہ طور پر اسے ثابت کیا جائے۔ ان ہی وجوہات کی وجہ سے تحقیق کے نتائج غلط ثابت ہوں گے لیکن اس سے یہ کبھی لازم نہیں آتا کہ طریقہ محض خود اس کے جوہروں اور خصوصیات سے جانچا جاتا ہے۔ طریقہ استقرائی اور طریقہ قیاسی میں یہ فرق ہے جو بیان کیا جاتا ہے۔ سابق الذکر طریقہ تو خاص سے عام چنانچہ کی طرف تہجری کرتا ہے اور آخر الذکر طریقہ عام سے خاص کی طرف یعنی ایک عمومیت پیدا کرتا ہے اور دوسرے خصوصیت کی طرف لیجاتا ہے مثلاً اگر قیاس آدمیوں کی ایک جماعت کو اگر ہم اس جماعت میں سے ایک ایک شخص کو پوچھے طور پر جانچیں اور دیکھیں کہ ہر شخص پر عرب ہونے کا اطلاق ہوتا ہے تو اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ پوری جماعت کی جماعت عربوں ہی کی ہے اسی کو قاعدہ استقرائی کہتے ہیں جو خاص سے عام کی طرف رہنمائی کرتا ہے اب دوسری شکل بھی دیکھنی چاہئے اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ اس کل جماعت میں عرب ہی عرب ہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس جماعت کا ہر خاص شخص عرب ہے جو قاعدہ ہم نے یہاں استعمال کیا وہ قیاسی ہے۔

یہ خاص صداقت سے اس عام چنانچہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو اس کی ذات میں موجود ہے ہم ایک اور بھی مثال دیتے ہیں جس سے یہ مسئلہ اور بھی آئینہ ہو جائے گا علم نباتات کا ماہر تمام اقسام کے آن پودھوں کی خاصیتوں کا مطالعہ کرتا ہے جو ایک ہی جنس کے ہیں۔ اور دیکھتا ہے کہ ان میں سے ہر پودہ نہر پلاس ہے اور ان خاصیتوں سے وہ یہ حکم لگاتا ہے کہ اس جنس کے تمام پودے نہر پلاس ہوتے ہیں۔ وہ اس علم صداقت کی

اے تلامذہ کو تعلیم دیتا ہے جو اس تعلیم سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ خاص وہ پودے زہر دار ہوتے ہیں جس جنس سے تعلق کرتیں۔ یہاں استاد نے تو قاعدہ استقرائی اختیار کیا ہے اور تلامذہ نے قاعدہ قیاسی یا باطناً دیگر سابق الذکر عام سے خاص کی طرف گیا ہے اور آخر الذکر خاص سے عام کی طرف۔ دونوں ہی سچے ہیں اور دونوں ہی کا طریقہ مفصل حقیقت کی بنیادوں پر قائم ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ دونوں کا قاعدہ علمی بنیاد پر ہے یا نہیں اور آیا اس کا قاعدہ علمی ہو سکتا ہے یا نہیں۔ یہ ساری باتیں یہی ہیں اور کون شخص ہے جو ایک کو علمی اور دوسرے کو غیر علمی کہے گا۔

ہم کہتے ہیں قاعدہ استقرائی حق ہے۔ ہر شے کا نتیجہ اس کے مقدمہ صغریٰ کی خبری سے برآمد ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے نتیجے سے خود مقدمات صغریٰ و کبریٰ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگر مقدمات صغریٰ و کبریٰ ہی حق ہیں تو ہم نہیں خیال کر سکتے کہ نتیجہ کیوں کرتی نہ نکلے گا۔ اور اگر مقدمات صغریٰ و کبریٰ غلط ہو جائیں ہو اگر ہیں قاعدہ یا طریقہ میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ یہ قاعدہ استقرائی اسلئے حق ہے کہ عام میں وہی خاص کی صفت ہوتی ہے اگر خاص صحیح ہے تو عام قطعاً صحیح ہو اور ہر قاعدہ کو ہم غیر علمی کیوں کہنے لگے یہی صورت قاعدہ قیاسی کے صحیح ہونے کی ہے عرض دونوں ہی فائدہ مند ہیں اور انہی اپنی جگہ دونوں ہی کا سہارا ہے۔ تو ان قدر عام طور پر کشادہ ہیں۔ اب یہاں سے صرف خالص استقرار کے ایک قانون کو سیکھ لینا جس کا عمل ہر جگہ ہو رہا ہے بالکل ہی ناممکن ہے ہم اس مسئلہ میں ایک چھوٹے بچانہ پر تو حکم لگا سکتے ہیں مگر یہی وسعت کے ساتھ اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ جب معلوم جدیدہ کے ماہروں کو یہ شکلات لاحق ہوئیں تو انہوں نے ایک اور قسم کا جدید استقرائی قاعدہ نکالا کہ جس پر ہنداشیا کو دیکھ کے باقی ماندہ کل اشیا کا اندازہ ہو سکے خواہ وہ ایک ہی جنس کی ہوں یا نہ ہوں۔ مثلاً خالص قاعدہ استقرائی اور بنائے ہوئے قاعدہ استقرائی میں یہ فرق ہے کہ سابق الذکر تو ان خاص اشیا کا مشاہدہ کرنا چاہتا ہے جو عام صداقت میں پہلی ہوتی ہیں اور آخر الذکر قاعدہ پہلا نکلے آگے بڑھ جاتا ہے اور قدرت کی ہند چیریں دیکھ کر کے سب کچھ ہی ایک سال سمجھنے لگتا ہے۔

بات یہ ہے کہ قانون قدرت جس کا سبق بلا سمجھ بوجھ پڑھا جاتا ہے کیوں ہر جگہ جاکے بدل گیا ہے جنس اور ایک قانون ہے اور خاص ایک مقام پر اس کی ایک حالت ہے تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اور مقامات پر بھی اس کی یکساں حالت رہے مگر یہ نہیں ہوتا۔ وجہ کیا کہ ایک ہی فطرت ایک ہی قانون اور اس کے نئے نئے مشاہدے۔ لندن کی انجمن مابعد الطبیعیہ میں ایک بار یہ سوال کیا گیا تھا کہ ہم کیوں کر جانیں کہ قوانین قدرت کوئی خاص شکل نکتے ہیں یا بالفاظ دیگر ان کا کوئی خاص لباس ہوتا ہے یہ فقیر نے اس سوال کا یہ جواب دیا تھا کہ قوانین قدرت کی شکل کے یہی ہیں کہ جو عرضہ صورتیں ان کے عمل کی خیال کر لی گئی ہیں وہ کبھی غلط نہ ثابت ہوں۔ ان قوانین کو کبھی کسی شخص کے سچے نہیں بدل سکتے۔ یہ کیوں کہ وہ سکتا ہے کہ فطر کے سلسلوں میں مجزوں کو دخل ہو جو شخص جوچے دکھانے کا دعوے کرتا ہے اس کا بہت بڑا منشا یہی ہوتا

ہے کہ اس میں مافوق الفطرت قوت تسلیم کی جائے۔ کوئی تین شہادت کہہ کسی سی حجرے کے شرب میں نہیں پیش کی گئی کبھی کسی ہر عصر میں نے ایسے کسی حجرے کی شہادت نہیں دی جو صد برس گزرنے پر رشور ہو سکے۔ پیاری قیاسی باتیں ہیں جنہیں شہادت سے کوئی بھی سروکار نہیں ہے۔ یہ اعتراضات میں جو عام طور پر کئے جاتے ہیں۔ ہم علوم جدیدہ کے ماہروں کی اس غلط فہمی کو دور کرنا چاہتے ہیں اور ہم صرف اسلامی معجزات پر بحث کریں گے۔

سوال صرف یہ ہے کہ مفروضہ اشکال قدرت کے قوانین اور عمل کی تسلیم کر لی گئی ہیں کیا غیبی شہادت اس امر کی پیش ہو سکتی ہے کہ ان مفروضہ اشکال کے علاوہ قوانین قدرت کی اور اشکال ممکن ہیں اور کیا نبوت ہے کہ یہ مفروضہ اشکال دینی ہی صحیح ہیں جیسا انہیں تسلیم کر لیا گیا ہے۔ ہنری بات دیکھنے کی یہ ہے کہ یورپ کے علماء اور فلاسفہ نے کبھی معجزات دیکھے کہ تمام مذاہب کے معجزات کی ایک ہی نوعیت سمجھتے ہیں۔ مگر نفسِ اسلام کو ایسے معجزات سے کوئی تعلق نہیں ہے جیسا سچی مذہب پیش کرتا ہے۔ اسلام کی بنیاد شعیبائیت کے معجزوں پر مگر قائم نہیں کی گئی ہے مثلاً عیسائیت کی بنا صرف تین اصول پر رکھی گئی ہے اور وہ ہیں حضرت مسیح کا بے باپ کے پیدا ہونا۔ مرکز نہ ہونا۔ اور پھر ختم آسمان پر چلا جانا۔ انسانی نسل نے فتویٰ دیدیا ہے کہ ان میں سے ایک معجزہ کا منکر بھی کا کرنا جائے گا یا ایسی مافوق الفطرت باتیں ہیں کہ کبھی سمجھ میں نہیں آسکتیں اور علوم جدیدہ کا ماہر انہیں محض لغو اور وحشی فسانہ خیال کرتا ہے۔ مگر اسلام اسکے مقابل میں یہ دعوے نہیں کرتا اس کا ثبوت بڑا اور سب سے بڑا اصول تو حید ہے اور اس کے باقی اس کے چھٹے اصول میں وہ سب شائیں ہیں تزکیہ نفس اور تمدن کی مثلاً غار پر ہٹنا۔ زکوٰۃ دینا۔ روزے رکھنا وغیرہ۔ ہم چاہتے ہیں کہ نفسِ معجزہ کی توضیح کرنے سے پہلے معجزہ کی کچھ تاریخ بیان کر دیں اور بتا دیں کہ اسلام میں معجزہ کسے کہتے ہیں اور موجودہ مسلمانوں کے خیال کے حجرے اسلام میں کب اور کس وقت پیدا ہوئے اور انکی اشاعت عام طور پر کیوں کر ہو گئی اور اصل معجزہ کو جسے اسلام کی بنیاد ہے مسلمانوں نے کیوں فراموش کر دیا جب حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا اور آپ نے نبوت کا اعلان دیا تو دنیا کی عجیب کیفیت تھی۔ اس کے خیالات بت پرستی ستارہ پرستی۔ آتش پرستی۔ کتاب پرستی اور دریا پرستی سے مافوق الفطرت باتوں کے قبول کرنے کے عامی تھے اور قدم قدم پر ان کے یہی خیالات تھے۔ قدرت کے کرشموں پر بالکل تاریکی پڑ گئی تھی اور فطرت کی قوتیں معبود بن گئی تھیں جب حضور انور نے علانیہ طور پر ان مذہبی غلط ناکارہ باتوں کی تردید کی اور ان کے معبودوں کو لاشے محض بتایا تو وہ لوگ پہلے تو چونکے لیکن بعد ازاں انہوں نے آپ کی بے لوث اور کہلی کہلی باتوں پر کان لگایا اور اخیر بہت جلد اپنی غلطی سے آگاہ ہو گئے اپنی اس حرکات سے باز آئے اور سچے دل سے توبہ کی اور خدائے واحد کی پرستش کرنے لگے۔ جہاں تک غور کیا جاتا ہے حضور انور کی زندگی بہت ہی سادہ طور پر بسر ہوئی تھی نہ کسی قسم کا شادانہ سامان نہ اسیرانہ جلال نہ واقعات زندگی میں کسی قسم کا تضلع کچھ بھی نہ تھا۔ سادہ لباس سادہ کھانا معاملات کی صفائی۔ سادگی گفتگو متیقن اسلام کے سادگی قاعدے اور معمولی الفاظ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ جو حجرے رسول خدا کے بیان کئے جاتے ہیں اگر وہ مٹو

دیہ کے لئے صحیح بھی تسلیم کر لئے جائیں پھر بھی ان سے اشاعت اسلام میں کبھی آپ نے کام نہیں لیا۔ نہ کبھی دشمن کے مقابلہ میں آپ نے ان مفروضہ معجزوں سے کام لیا اور نہ کبھی سخت سے سخت اوقات میں آپ نے ان مفروضہ معجزوں کو استعمال کیا۔ جب اسی بے نظیر ملک حالت میں آپ کی وفات ہو گئی تو صحابہ کا دور دورہ ہوا۔ سب سے زیادہ حضرت فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت خاص اس معاملہ میں بہت ہی نامور ہے رسول کریم نے تو وہ خیالات دبا دیئے تھے جو صد ہزار سال سے لوگوں کے چلے آتے تھے مگر اب وہ کچھ ہر نہ بنے لگے تھے کیوں کہ صد ہا سال کا خونِ اٹھ چاند سال میں نہیں جاسکتا تھا۔ مافوق الفطرت خیالات ان لوگوں کو بطور درٹ نہ پہنچتے تھے مسلمانوں میں ہزاروں تو وہ لوگ تھے جو پہلے نصرانی تھے ہزاروں وہ لوگ تھے جو پہلے یہودی تھے اور لاکھوں وہ لوگ تھے جو پہلے بت پرست تھے حضرت عمر نے یہ خوفِ نظارہ دیکھا اور آپ کو نذیر شاہ ہوا سبدا مسلمانوں کے خیالات ہر مافوق الفطرت باتوں کی طرف عود نہ کرائیں۔ یہ اندیشہ آپ کا درست تھا کیوں کہ خود مدینہ منورہ میں آپ نے اپنی آنکھوں کے آگے ان خیالات کا کچھ اُہار دیکھا تھا یعنی آپ نے وہ کہا کہ خاص اس وقت کے بچے اگر مسلمان آسکے بیٹھے ہیں جہاں کبھی کبھی رسول کریم و غوثِ فانی کرے تھے اور چند ہی مہینے کے بعد آپ نے یہ ملاحظہ فرمایا کہ مسلمان غیر معمولی طور پر اس کی تعظیم زیادہ کرتے ہیں اور مجمعِ روز بروز زیادہ ہوتا جاتا ہے آپ نے فوراً اس وقت کو جیسے اکثر واکے پھینک دیا اور گویا رسول کریم کے نبوت بڑے منشا کو اس طرح چور کیا۔ اگر وہ درست نہ اکثر وایا جاتا تو ضرور ہجرِ ہستی کی بنیاد پڑ جاتی اور مسلمان ہر اپنے ان ہی خیالات پر اتر آتے جو انہیں بطور ورثہ ملے تھے حضرت عمر کی حکمت بہت ہی غایہ نظر سے دیکھنے کے قابل ہے۔ دوسری حکمت حضرت عمر نے بہت بڑی یہ کہ صحابہ کو باکثرت حدیثیں روایت کرنے سے روک دیا اور سخت حکم دیدیا کہ نو سلسلوں میں زیادہ حدیثوں کا وعظ نہ کہنا۔ جب آپ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو ایک منقوضہ صوبہ کا عامل بنا کے بھیجا تو سخت تاکید کر دی تھی کہ حدیثیں نہ بیان کرنا اور چلتے وقت یہ فرما دیتا تھا اے ابوہریرہ مسلمان تیرے پاس جوق جوق آئیں گے اور یہ کہیں گے رسول کریم کے صحابی آئے ہیں ہم سے حدیثیں بیان کریں گے تو سوئے قرآن کے ہرگز حدیثوں کا درس نہ دیجو حضرت عمر کی اس حکمت بالغہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا کہ حدیثوں میں قطعی اختلاف واقع ہوگا اور جب حدیثوں کی اشاعت یوں علی الاعلان ہونے لگے گی تو بہت سی حدیثیں جدید بن جائیں گی اور ہر لوگوں کے اس سادہ عقیدہ میں جو رسول کریم نے پیدا کر دیا تھا سخت انتشار پیدا ہوگا اور ہر وہی مافوق الفطرت ماوہ زور کرے گا اور چون کہ انہیں اپنے نبی کریم کا زیادہ ادب اور پاس سے خیر نہیں ہمسلم کے سادہ اصول میں کن کن باتوں کی آمیزش ہو جائے اور ہر توحید خدا کا صاف مسئلہ خراب نہ ہو جائے جب تک آپ تختِ خلافت پر قائم ہے آپ نے نہایت تندہی سے اس امر میں کوشش کی اور حسنِ عملی حدیثوں کی اشاعت کا دروازہ بند کر لیا لیکن آپ کی شہادت کے بعد اس انتظام میں کچھ خلل سا پڑ گیا چوں کہ آپ کے جانشین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کی اس عظیمانہ حکمت عملی کو پورے

طور پر سمجھ لیا تھا اور جس امر کا خوف تھا وہ آنکھوں کے آگے نہ لگا تھا آپ نے اس بنا پر فوراً ایک اعلان جاری کر دیا کہ جن حدیثوں کی روایت حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمرؓ نے کی تھی یا جو حدیثیں ان دونوں حلیل القدر صحابہ کے زمانہ میں رائج ہو گئی تھیں انکے علاوہ نہ کوئی حدیث بیان کی جائے نہ کسی حدیث کی اشاعت دی جائے۔ اس اعلان سننے چھپا کہ اُس بستی زیادہ اثر نہیں کیا کیوں کہ خلافت کے چند ہی روز بعد سے مخالفت شروع ہو گئی تھی اور مروان آپ کے معتمد خاص کی بعض بے عملانہ باتوں سے اس پر دست ہتھام میں جو حضرت عمرؓ کا قیام کر گئے تھے غلط آنا شروع ہو گیا تھا۔ ناہم بہت کچھ روک تھام اور ایک حد تک لاکھوں مسلمان اس بات کا خوف کرتے تھے کہ رسول کریمؐ کے نام سے کبھی ایسا قول نہ بیان کیا جائے جس میں ایک لفظ کا بھی شبہ ہو۔ مسلمانوں کی بدقسمتی سے یہ حالت مدت تک قائم نہیں رہی حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت نے اس روک ٹوک کا خاتمہ کر دیا اور اب دو متضاد گروہ اسلام میں پیدا ہو گئے۔ اور ان دونوں گروہوں کو ضرور ہوا کہ اپنی اپنی تائید میں وہ رسول کریمؐ کے پاک اقوال بیان کریں جہگڑا سرت ملکی تھا مگر اسے مذہبی رنگ پہنا گیا اور اب طرفین کی روز برف کشش بڑھنے لگی۔ یہاں تک کہ باتوں سے تلوار پر نوبت پہنچ گئی اور بڑے بڑے خوریزیدان ہوئے مگر نتیجہ سب سے اس کے اور کچھ نہیں نکلا کہ دشمنی خون میں لگ گئی اور آگے چلے ہی دشمنی زندگی ہی نہیں بلکہ ایمان اور یقین کا جزو و غم بن گئی یہی صورت گویا جھوٹی حدیثوں کی اشاعت کا بہت بڑا ذریعہ بنی اور ہم خیال کرتے ہیں کہ نئی نئی حدیثیں وضع کرنے کا شوق پیدا ہوا اور یہ شوق اس وقت تک قائم رہا جب تک حدیثوں کے پرکھنے کی کوئی نہ نکلی۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ جب امام بخاریؒ نے اپنے زمانہ میں صحیح حدیثوں کو الگ کرنا چاہا تو کسی لاکھ حدیثوں میں سے انتخاب کر کے جامع صحیح لکھی جس میں کل ۳۹۷۷ حدیثیں ہیں اس میں بھی اگر کمرات نکال ڈالی جائیں تو ۲۷۱۷ حدیثیں باقی رہتی ہیں۔ موضوع حدیثوں کا چاروں طرف سے دیا اڈنے لگا تھا اور اسلامی دنیا میں اس آفت نے ایک قہر پر بار کر دیا تھا جنہیں صحیح حدیثیں یاد تھیں وہ بھی زبان ہلاتے ہوئے دھرتے تھے۔ صدق کے ساتھ کذب خوب گئی شکر ہو گیا تھا۔ یہاں نہ کیا بیان ہے کہ صرف ایک فرقہ زاد قلعہ چوہ ہزار حدیثیں وضع کر لیں۔ (فتح الغیث صفحہ ۱۰۸) دضاع نے خود تسلیم کیا تھا کہ چار ہزار حدیثیں میں سے وضع کی گئی بہت سے اسی زمانہ میں ایسے بھی ثقافت ہوئے ہیں جنہوں نے محض نیک نیتی سے فضائل اور ترغیبیں حدیثیں موضوع کیں۔ زین الدین عراقی کا بیان ہے کہ ان حدیثوں سے اسلامی دنیا کو بہت سخت نقصان پہنچا کیونکہ ان وہمیں زندہ و تقویٰ کی وجہ سے ان کی موضوع حدیثیں عام مقبول ہو گئیں۔ بعض نے محض انتہاء تعظیم و تکریم کی وجہ سے نئی نئی باتیں اپنے نبی کریمؐ سے نسبت دینی شروع کیں اور جس طرح ہود و نصاریٰ اپنے راہبوں اور بطریقوں کے فرضی تعویذات اور کرامتیں بیان کرتے تھے مسلمانوں نے بھی اس کے مقابل میں وہ مافوق الفطرت باتیں بیان کیں بھکا وہم و گمان بھی رسول کریمؐ کے زمانہ مسعود و محمود میں مطلق نہ تھا وضع کے بعد سب ہلاکت غلط فہمیوں اور بے احتیاطیوں کا وجہ تھا جن کی وجہ سے ہزاروں اقوال کو

کریم کے بھی آگے بڑھا دیا شیعی گروہ نے اپنا وار و مدار بالکل اہلبیت پر کر لیا اور ان کے فضائل میں ایسی ایسی مافوق الفطرت باتیں ترشیں کہ ان بزرگوں نے اپنی زندگی میں کسی آن کا وہم بھی نہ کیا ہوگا۔ اسی طرح سینوں نے اپنے اماموں کو مختلف کراستوں سے لاد دیا اور جتنی مافوق الفطرت باتیں کہ ایک تعلیم یافتہ دماغ بجا کر سکتا ہے وہ سب بجا دو گئیں اور ان کی نسبت ان بزرگ انقاس سے دی گئی جو نے اہل حقیقت بے گناہ تھے اور انہیں ان امور سے کوئی بھی سروکار نہ تھا۔ ہانسوہیں کی رتھ کا دریا میں سے نکلنا اور عزرائیل کے کلمہ پڑھنے پر ان کے روجوں کی تبدیلی اس سے چھین لینا یہ کم و بیش کی باتیں نہیں ہیں۔ ایک شاعر کا بے لگام خیال اور ایک مصنف کا فکری فحش بھی ایسی بزرگیوں کی تصویر نہیں کھینچ سکتا۔ پس ان اعتقادات نے مسلمانوں کے عقاید میں کامیابی سے خلل اندازی کی گوری پرستی۔ پیر پرستی۔ گو سالہ پرستی کی ذہن ترین رسمیں اسی کفایت کراستوں کے عقیدہ جاری ہوئیں اور انہوں نے اتنا زور باندھا کہ اہل جہل و جاہل دلوں سے کسی کا محو ہو گیا جس پر ہی عجز رہ گئے کہ ان کتاب کو ایک گھنٹہ یا تین گھنٹہ تک اسلئے ٹھہرائے رکھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کی عصر کی نماز قضا ہوئی تھی حضرت جبریل آسمان سے ایک نشہ لے کے اترے تھے اور اس پر حضور انور کی نہر کرائی تھیں اسکے یعنی تھی حضرت امام حسین علیہ السلام کو بلا میں شہید ہوں مجھے منظور ہے حضرت علی کرم اللہ وجہ نے ایک کوئٹ میں اتر کے سو لاکسی ہزار پاکسی لاکھ جنوں کو قتل کیا تاہم میدان کو بلا میں شہنشاہ جنات کئی لاکھ لشکر کے ساتھ حضرت امام حسین علیہ السلام کی امداد کے لئے حاضر ہوا تھا مگر آپ نے امداد منظور نہیں فرمائی درخبر کہ حضرت علی نے اپنے ایک ہاتھ سے اٹھا لیا تھا۔ آسمان سے روزمرہ کھانے کے خوان بہرہ کے اترتے تھے۔ یا فلاں پر دریا پر چلتے ہیں اور ان کے پر نہیں بیگتے۔ یا مرنے کو بعد بھی فلاں پیرنے یہ یہ کراستیں دکھائیں کوئی زلف نہ ہو گیا اور کوئی مینا ہو گیا فلاں پیرنے ایک مردہ ہے کہا اٹھ میرے حکم سے اور وہ اٹھ بیٹھا۔ یہ اور اس قسم کی کل باتیں انسانی شرافت اور فضیلت سے جہت دور ہیں۔ فور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہو گا کہ انسان کو دنیا میں پیدا کرنے کی خاست حد و ذوقاے کی یہ نہیں ہے کہ وہ ہانسوہیں کی ڈوبی ہوئی معد سوار یوں کے رتھ نکال دے اور عزرائیل کو ترہنار کے روجوں کی تبدیلی چھین لے اور پرتیلی کھول دے اور وہ روجیں اڑ کے اپنے جسم میں چلی جائیں اور ایک مدید زانہ تک وہ لوگ زندہ رہیں۔ یا ایک مقتول کو زندہ کر دے۔ فرض کر لو کہ یہ ساری باتیں ممکن ہیں اور ایک وقت ان کا حضور منظور ہوا تو اب سوال یہ ہے کہ خدا کی مخلوق کی بے پردگی ان افعال سے کیا عاقبت و صدمت ہوئی۔ یا دیکھو خدا کے معاملات یا قانون قدرت میں کوئی دخل نہیں دیکھنا اور جب تک کسی کام میں خدا کا ہاتھ نہ ہو وہ ہرگز مفید بھی ثابت نہیں ہوتا ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ فلاں پیر صاحب چلتے چلتے زمین میں سے ایک گھوڑا پیدا کر لیتے تھے اور ہر اس پر بیٹھ کے اڑ جا یا کرتے تھے اور آسمان کی سیر سے کئی کئی دن میں اتر کر کرتے تھے سوال صرف یہ ہے کہ انہوں نے خود قوا آسمان کی سیر کی اور منہ سے آہٹاے اب بیتاؤ انہوں نے نہیں کیا دیا۔

اسی قسم کے باطل ادنام سے بچنے کی پہلی حقیقت پر پردہ ڈال دیا ہے لکھنے پر بے جاہل سب سے بچنے لگے کہ بچہ کی معنی ہیں کہ کیا تو خداوند تعالیٰ کے ان قوانین میں تبدیلیاں پیدا کریں جو وہ روزِ ازل سے پیدا کر چکا ہے یا لوگوں کو دھوکا دیں بچہ اور نبوت یہ لازم ملزوم ہیں نہ منشاءِ نبوت کو ان شعبہ سے باز یوں سے کچھ سروکار ہے اور نہ بچہ کے کو بچہ کے کہتے ہیں؟ یہ سوال ہے جو مدت سے ہوتا چلا آتا ہے اور اس کا کافی جواب کسی نے بھی آج تک نہیں دیا۔ بچہ ان عظیم صلاحوں کے نتیجہ کو کہتے ہیں جن میں نہ اکا ناٹھ کام کرتا ہے اور وہ اصلاصیں ایسی پروردگار اور یہی ہوتی ہیں کہ انسان کو مجبوراً تسلیم کرنی پڑتی ہیں اور ان اصلاحوں کا قیام جبکہ خداوند تعالیٰ اپنا ناٹھ دے چکا ہے دیر پا بلکہ دائمی ہوتا ہے نبوت خاص اس راز کا نام ہے جو کسی خاص بندہ کو عطا ہوتی ہے اور یہ صفت اس کے کلام میں وفات کے بعد بھی برتی ہے۔ فی حقیقت اس راز کا پانا محال ہے اور یہی مانتے منہ سے یہی نکلتا ہے "قد راس باوہ ندانی تجد تائشی"

سخت غلط فہمی ہے کہ نبی یا نبوت کے لفظی معنی لیے یکدم لگا دینا کہ صورت بھی نبی ہے اور جہنمی بھی نبی ہے اور باور بھی نبی ہے۔ ان مبارک الفاظ کی ایسی بے توقیر سی نہیں کرنی چاہئے اگرچہ یہ الفاظ انسانی زبان کے ہونے کی وجہ سے محدود ہیں مگر نکلتا تو ان سے جو بڑا عالی شان ان کی ایسی گستاخی نہیں کرنی چاہئے جب ہماری کمزوری اور زبان کی بے بضاعتی کی کیفیت ہے کہ ہم درود کچھ کٹھاس منٹھاس کی کیفیت انظوں میں نہیں بیان کر سکتے بہر کیوں کر خیال میں آسکتا ہے کہ خدا اور اس کے زبردست راز یعنی نبوت اور اس کے نتیجے یعنی بچہ کی حقیقت سمجھ سکیں گے اور پہلی نہایت محدود زبان سے اسے اور کھلیں گے۔ قدرت ہی کی طرف سے وہ زبان عطا نہیں ہوتی بہر کیوں کر سمجھا جاسکتا ہے ہاں اتنا ضرور ہے کہ تھوڑا سا ہی اگر بہت نہیں ہو سکتا خدا نے مطلق سے اپنی تمام کمزوریوں کا قرار کر کے عاجزی اور فروتنی کے ساتھ تعلق پیدا کروا دینا ہی روزِ مہربانی سے اسے یاد کر کے تو دیکھیں معرفت اور حقیقت کے دروازے کس طرح کھلتے ہیں دیکھ سب کچھ لو گے مگر یاد رکھو زبان سے کچھ نہ کہہ سکو گے یہ کہہنا تو سیری بات سنو حتیٰ یہ ہے کہ تم نے کہی را سبنازی سے خاکو باہ نہیں کیا۔ اگر چند ہی لمحہ کرو تو متین حلوم ہو کہ پادشاہت کیا چیز ہے حقیقی شادمانی کس کا نام ہے اور قلبِ مطمئنہ کسے کہتے ہیں کچھ دین ہی کا فائدہ نہیں جو بلکہ اس سے تو دنیا بھی سنو رہی ہے تعلق تم کرتے نہیں مگر ان لوگوں پریشہ ہو چکا تعلق موجھا ہے یا جو تعلق پیدا کرنے کی کوشش میں ہیں بہر تم کیوں کر سمجھ سکتے ہو کہ بغیر شادمانیت کے تمہیں آجائے گا۔ کیا تاشہ کی بات ہے یا بی میں تو جان توڑ کے محنت کر جو وہ کہیں آئے سہی طرح دنیا کا ادلے اور اعلاہنہ کی بغیر محنت کے نہ حاصل کر سکو مگر روحانیت اور روحانی مسرار کا علم ایک منٹ کی محنت سے حاصل کرنا جاہو بلکہ اپنی غلط فہمی سے اس کے عالم ہونے کا دعویٰ کرو اور بغیر ایک لمحہ کی محنت کے یہ خیال کرنے لگو کہ اول تو روحانی مسرار کو کی چیز نہیں ہے اور اگر ہیں تو ہم سمجھ بیٹھیں ہیں ایسے لوگوں کی حالت افسوس کے قابل جو ملکی زندگی مشتبہ جن کی سوت سخت ناکامی پر ہوگی اور جنکی روحانی نجات محذوف ہو جائے گی۔

ہندوستانی طبائع میں چوں کہ اول روز سے تقلید کی صفت ودیعت ہوئی ہے خواہ وہ کیسے ہی تعلیم یافتہ ہو جائیں بہرہی ان سے یہ صفت نہیں جاتی بلکہ نیا وہ تعلیم سے تقلید ہی مادہ کو اور یہی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور ان کی باطل اس ہرن کی سی مثال ہے جو بیڑیوں کے غول سے توجھ کیا مگر نکھار کے تیر کا نشانہ ہو گیا۔ اسی طرح ہندوستان کے مسلمانوں نے نئی تعلیم پا کے مشرقی علماء کی تقلید سے اپنے کو آزاد و نو کر لیا مگر وہ مغربی علماء کے ہندوؤں میں پھس گئے۔ تعجب ہے دیکھا جاتا ہے کہ ایک شخص بھی بیسائیں دکھائی دیا جو اندارائے رکھتا ہوا اور اپنی اس خدا و عقل سے کام لیتا ہو جو بحیثیت انسان اور اشرف المخلوقات ہونے کے فطرت کی طرف سے اسے ودیعت ہوئی ہے۔

اس وقت ہندوستان ایک افروشاں کرب و بلا میں پہنچا ہوا ہے یورپ کے اتحاد اور ہندوستان کی بت پرستی نے ایک حد تک ہندی مسلمانوں پر نمایاں فتح حاصل کی ہے موجودہ ہندی اسلام وہ اسلام نہیں بلکہ خاصہ ادیان اور سرتاج ادیان تھا بلکہ اس میں اتحاد اور بت پرستی کی کچھ ایسی آمیزش ہو گئی ہے کہ دود کا دود اور پانی کا پانی الگ کرنا مشکل ہو گیا مگر پستی پر پستی، فقیر پستی، گوسالہ پستی، تقلید پستی۔ نے تو ایک طرف آفت برپا کر دی ہے اور دوسری جانب اتحاد و پستی، طبیعیات پستی۔ مادہ پستی نے غضب ڈال رکھا ہے۔ علوم جدیدہ کے مفروضہ اصول پر اگرچہ وہ بہت جلد جلد بدل رہے ہیں مسلمان نوجوانوں کے نئے تعلیم یافتہ گروہ نے تکیہ کر لیا ہے اور لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمانوں نے ہندوؤں کی بت پرستی سے اپنا ایک نیا اسلام بنایا ہے اور بانہندی اس قدر اختیار کی ہے کہ کسی عالم کی کسی رائے پر کلمتہ چینی کرنا کفر بنال کیا گیا ہے۔ اسلام کی وہ آزادی و ہونڈے سے بھی نہیں ملتی جو ابتدائی مسلمانوں میں تھی کہ اوسنے اوتے بڑبڑا خلیفہ وقت سے جگہ کرتی تھی اور چلتے چلتے رہتے روک کے کھڑی ہو جاتی تھی اور خلفا کو کیا قایل ہونا پڑتا تھا یا اس کی غلطی آپس میں طعنے لگاتے لگاتے جب یہ زبوں ترین حالت ہے تو معجزہ اور نبوت کا باریک مسئلہ کیوں کر سمجھ میں آسکتا ہے اور کون شخص ہے جو اسے سمجھا سکتا ہے جب تک خطا کا مظہر اس کے ساتھ کام نہ کرے اور خدا کی مرضی اس کے ساتھ شریک نہ ہو۔ مسلمانوں کی اسی خرابی اسی زبونی اور اسی انتہائی تکبت کی حالت میں ہی نبوت اور اس کے نتیجہ معجزہ کی جھلکی پائی جاتی ہے اور اس کی جھلکی کو وہی آنکھیں دیکھتی ہیں جو تجلیات ربانی سے منور ہو چکی ہیں اور جن میں خدا کے جلال کی روشنی کوٹ کوٹھے بھر چکی ہے۔ خدا نے ہمارے گناہوں میں وہ قوت اور جوہر دے دیا ہے اور ہم خوش ہیں کہ ہم نے اس صفت انہی کا مسلمانوں کے خراب اور نا پاک صفایہ میں نظر آ کر لیا ہے اور وہ یہ ہے کہ برے سے برے بت پرست سے بت پرست محدث سے محدث مسلمان کے دل میں ایک حرارت پائی جاتی ہے جو کبھی سرد نہیں ہوتی اور صدیوں پر صدیاں گزرنے پر ہی اس کی ایک ہی حالت رہتی ہے یہ حرارت کیا ہے اور اس حرارت کا میاں کیا ہے اور آیا اس حرارت کا بھی کسی نے کبھی لگا لیا ہے۔ ظاہری توازن و قنوت تو یہ فتوے دے چکے ہیں کہ جہاں چند قدیم ہوتی ہیں اس کی وہ صفات نازل ہو جاتی ہیں جو ابتدائیں اس میں دیکھی جاتی ہیں اور ہم یہی روزمرہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں مگر کیا وجہ ہے کہ اس انتہائی خرابی پر بھی اسلام میں زندہ

روح باقی ہے اور وہ زندہ روح برابر اپنا اثر دکھا رہی ہے اور قدم قدم پر اس کے اثرات نمایاں ہیں اسکی روح صحت کھتے ہیں اور اسکی جھڑکتے ہیں۔ اور قرآن مجید نے آیات بینات سے اسکی تفسیر کیا ہے۔

سخت خمیر چٹنی اور سو ادنیٰ ہے کہ کسی فلسفی کی تقلید پر نہ بنی سار لو مار اور دزدی کو بنی بنادیں اور نبوت کا اعلیٰ درجہ کا جوہر جو خاص باری تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے ان اوتے پیشہ وروں کو دیدیں اور ہم غلیں بجائیں کہ ہم خوب ہی نبوت کی حقیقت سمجھی اور اس راڈ کی نہ ہک ہم خوب ہی پہنچے سخت شرم کی بات ہے کہ ایک سجدہ اٹھ کر کسی ہندو ملہ کی انکھیں بند کر کے تقلید کرے اور اپنی ضاوا و ذوات کو تقلید کے آگے بیکار کر دے خمیر چٹنی جوہر کی حقیقت باوجود الفاظ سے نہیں پائی جاتی ظاہری الفاظ میں ہرگز ان معنی کا ایک ہزاروں حصہ ہی شامل نہیں ہے جو فطرت نے اس میں ودیعت کئے ہیں ہم جبکہ ہم وظاہری ہشیامی مابیت الفاظ سے طلق نہیں بنا سکتے یہ کیونکر خیال کر سکتے جو کہ غایت اشیا کی مابیت بنا دو گے۔ مثلاً تم تھامے سامنے رکھا ہے ابھی تم نہیں جانتے کہ یہ کس مرنے کا ہے مگر جب تم نے کہا یا سکا اعلیٰ مرنے اگرچہ تم پر کھل گیا مگر تم چاہو کہ اس مرنے کو الفاظ میں بیان کر دو محال سے بھی ٹھیکے محال ہے ہاں اس کے مرنے کو تشبیہوں سے بیان کر دو گے کہی مٹھاس میں گڑا در شک کی تشبیہ دو گے اور کہی کٹاس میں کٹا کو گے مگر جو اس کا اعلیٰ مرنے ہے اور جو تھامے دل کو آیا ہے اور تھامی طبیعت نے اس سے کیفیت حاصل کی ہے ہرگز ہرگز نہیں بنا سکتے۔ بسطیح انسانی طبیعت کے پوشیدہ جوہر میں جنکا کبج معلوم جدید بھی نہیں لگا سکے۔ اور انہیں نہیں معلوم کہ ادراک کیا چیز ہے کیوں کر پیدا ہوتا ہے اعضا سے ان چیزوں کا کیا تعلق ہے۔ انسان کے باطنی جوہروں کا اوتے درجہ خواب ہے ابھی اسی کی حقیقت میں اختلاف ہے اور خاص ایک فیصلہ خواب ہی کی نسبت معلوم جدیدہ نہیں کر سکتے ہیں۔ خواب چیز کیا ہے اسکی ہستی کیا ہے کیوں کر پیدا ہوتا ہے اور کن اعضا سے بالخصوص اس کو تعلق ہے جو کن کن اعضا کی حرکت سے کیفیت بیداری پیدا ہوتی ہے کہ انسان لیٹا ہوا ہے مگر اپنے کو بہرنا ہوا دیکھتا ہے اگرچہ ان سوالوں کے جوابات ہزاروں دیئے گئے اور رد دیئے جاتے ہیں مگر ابھی تک اتفاق نہیں ہوا جتنے جوابات میں سب خیالی ہیں اور شاہد سے انہیں کچھ بھی سرکار نہیں ہے۔ بہر حال کیا جانا ہے کہ دل اور دماغ کی خواب دیکھنے کے وقت کیا کیفیت ہوتی ہے اور ان اعضا کی وہ کیا خاص حرکتیں ہیں جن سے غم اور خوشی کے خواب نظر آتے ہیں کیا کوئی دوائی ایسی پلائی جاسکتی ہے کہ دل اور دماغ کی ایسی حالت ہو جائے کہ خوشی غم خوف اور بے باکی کا سال آنکھوں کے آگے نظر آئے اور طبیب اپنی دوائی کے زمرہ پر عیا خواب چاہے خوابیدہ شخص کو دکھا سکے۔ یہ ساری باتیں میں جو ابھی حل ہوتی بانی ہیں اور یہ سارے عقیدے جو ابھی کہنے کو موجود ہیں جب تک کامل طور پر انسانی ذات کا کبج نہ لگ جائے گا اور اس کی ظاہری اور باطنی حالتیں کی کمی نہ معلوم ہو جائیں گی کہی ان جوہروں کا خیال بھی نہ آئے گا جو بدلہ الفج اپنی مخلوق کے کسی خاص بندہ کو اپنی مقررہ عادت کے مطابق بخش کر تھامے مٹھلا نظر پر انسانی جوہروں کا پتہ لگانے میں فطرت کی باطنی قوتوں کا مضحکہ نہ اڑاؤ اور انسانی الفاظ کے ظاہری معنی پر نفاقت نہ کر لو بلکہ پاک اور

صاف دل سے اپنی عاجزی اور کوتاہی کا اقرار کر کے خضوع اور شمع کے ساتھ رب الافواج کی اعلیٰ بلکہ ہر نیاز کی پشانی چکا اور التجا کر کے ہمارے دل میں وہ قوت دے جو ہم تیری بزرگی کا ادراک کر سکیں۔ اور چارسی آنکھوں میں وہ نور عطا کر جس سے ہم تیرا جلال ہمہ درہ ذرہ میں چمک سکیں۔ تمہاری دعا قبول ہوگی کیوں کہ وہ ضرور اس کی سزا سے جوئے بکارتا ہے اور وہ اس کی سزا کا جواب دیتا ہے جو اس سے خطاب کرتا ہے۔ کن ہیوہ خیالات میں پڑے ہو اور کیا پس رہے ہو اپنی عموں کا جو حصہ کیا ہی میں صرف کوٹکے اور خدا کا وہ خزانہ جو تمہیں عطا ہوا تھا ابھی یوں کا یوں ہی سرسبز رہا ہوا ہے۔ دیکھو موسیٰ کی اس خزانہ میں کیا کیا ہے اور معلوم نہ کرو کہ شاید یہی خزانہ نہ ہو جس کی وجہ سے تم کو انسانیت کا شرف ملا ہے جو کچھ تم نظر کر رہے ہو اور جو انگریز نظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کیا ہے کہ اسی نے تمہیں فریب دے کر کہا ہے اور یہی طلسمی سلمان تمہیں خالق ارض و سما کی طرف رجوع ہونے سے روکتا ہے اگر ایسا تو بڑی ہی قیمتی کی بات ہے۔ اس تاظم سمی سلمان کے تو تم ہی موجود ہو۔ تمہاری ہی ایجاد کی ہوئی غیری روح چیز تمہیں بے خبر بنا دے اور کہیں کا بھی نہ رکے۔ چیم ہے کہ یہ تاظم گنڈا تیار ہمارے خیالات کا نتیجہ ہیں اور چون کہ تمہارے دل و دماغ کا بیڑہ غم میں اسلئے تمہیں مناسبت ضرور ہونی چاہئے۔ مگر مناسبت کے بیچنی نہیں ہیں کہ تم ان ہی چیزوں کے ہو کے رجاؤ اور اسے خالق کو ہول جاؤ۔ یہ تاظم سمی ششیا کیا ہیں تمہارے خیالات کا ڈالے اور سبے اسلئے نتیجہ ہیں۔ تمہاری ذات کے صدقے سے ان کا طور ہوا ہے اور تمہیں ان کے موجود ہو جمل تو یہ چاہتی ہے کہ تم ان سے چوں کہ ہر طرح اشراف ہو اسلئے کسی طرح ہی مغلوب نہ ہو اور اگر تم مغلوب ہوئے تو تمہاری قیمت ان بت پرستوں کی سی ہوگی جو خود ہی تمہارے سونے بنائے ہیں اور خود ہی ان کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ تمہیں ان چیزوں سے جو تمہارے ارد گرد ہیں خرب نہ کھانا چاہئے کیوں یہ تمہاری ہی بنائی ہوئی اور تمہاری ہی ایجاد ہیں تمہیں اپنے خالق کی مرضی پر باندہ ہونا چاہئے اور یہ باندہ ہی تمہاری دینی اور دنیا کی حقیقی بہبودی ہے اسی سے دنیا کے معاملات میں اصلاح ہوتی ہے اور اسی پابندی کے روحانی فضائل ملتے ہیں۔

اگر کوشش کرو گے تو روحانی فضائل کا تمہیں ابھی طبع کچھ لگ جائے گا اور تم مجھ جاو گے کہ بحرہ اوزنوت کیسا ہے اور ان کا خالق خدا اور اس کی مخلوق سے کیسا ہے۔ قرآن مجید فی الحقیقت فخرت کی ایک مکمل بیاض ہے مگر جب تک اس سے مذاق نہ پیدا کرو گے وہ ہرگز سمجھ میں نہیں آسکتا۔ تم اسے مثل معمولی کتابوں کے ٹہتے ہو اور اس کے ظاہری معنی کے سمجھتے ہو کہ ہم قرآن مجید کے مطالب پر چاؤ ہی ہو گے حالانکہ حقیقت کی راداس سے بہت ہوتی ہے اور روحانی مضامین کے سمجھنے کا مذاق پیدا کرو پھر قرآن کے سمجھنے کا نام لو اور ادنیٰ خیال کر کے سمجھنے ہو کہ جب تک مضمون سے مذاق نہ ہو گا ہرگز اس کی کتاب کے سمجھنے کا مذاق نہیں چل سکتا۔ کیا وجہ ہے کہ تم بے قرآن ٹہتے ہو تو صرف اس کی جہالت سے اگرچہ منی نہ ہی سمجھو حد میں آجائے ہو مگر دوسرے مذہب کے شخص کی جڑ ایک ہی شہر میں رہتا ہو ایک ہی خدا کا کہنا ہو ایک ہی معاشرت رکھتا ہو یہ کیفیت نہیں ہوتی اس کی وجہ عیاں ہے اور اس کا سبب صاف ظاہر ہے۔ تمہیں کچھ کچھ اس سے مدلی لگتی ہے۔ اسلئے اس کا نام سننے ہی یا اس کے الفاظ کان میں پڑتے ہی تمہاری

عالت بدل جاتی ہے مگر دوسرے شخص اس سے متاثر نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر تم اپنے تعلقات خالق ارض و سما سے زیادہ پیدا کرو گے تمہارا قرآن سمجھنے کا مذاق بڑھنا جائے گا اور پھر تم زنی کرنے کرنے قرآن مجید ان اصل معنی کو سمجھنے لگو جو الفاظ کی بین مضامین۔

بنوت کا بہت بڑا مفتیہ قرآن مجید ہے اور اس پاک کتاب کو ہم دوسرے لفظوں میں آیات نبات یا سحر سے تعبیر کریں گے اس مقدس کتاب کو غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہونا ہے کہ اس میں روحانی فضائل حاصل کرنے کے کرمی علاج مقرر کئے گئے ہیں اور جب تک کوئی شخص وہی بدیہی نہ کرے گا جسے اعلیٰ مرتبہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ قرآن مجید میں کرمی ہونے ہی صفت ایک جملہ گنلتا ہے اور وہی جملہ گویا آگے آنے والی روحانی تعلیمات کا بہت بڑا سرخسہ ہے یعنی وہ جملہ یہ ہے ذلت الکت کلاذیب فیضہ ہدی المتعین اللہ یومنون بالقیب ویقومون الصلوۃ وما رزقہم یمقنوا یہ ایک جملہ جو جس کی تفسیر سارا قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید کی خواہ کسی جو پڑھی ہو پڑھی آیت کو پڑھو ہی آیت یا پہلی کی پڑھو گے۔ اور جب تک اس آیت کا اصلی مفہوم دل میں نہ جا لو گے اس کی شرح کو نہ سمجھ سکتے ہو نہ اس کچھ مذاق حاصل کرسکتے بیان کیا گیا ہے کہ اگرچہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس میں شک کی ذرہ برابر نجاش نہیں ہے لیکن ان ہی لوگوں کو ہدایت کرتی ہے جو خدا سے ڈرتے ہیں اور غیب کی چیزوں پر ایمان لایا ہے اور پھر آگے ان لوگوں کی صفتی بیان کی گئی ہے کہ وہ ناز و خجستہ میں بی عبادت الہی کرتے ہیں اور جو کچھ انہیں دیا گیا ہے اس میں سے خیرات کئے ہیں غیب پر ایمان لانے کے یہی معنی ہیں کہ ان پوشیدہ قوتوں یا جوہروں کا یقین کیا جائے جو دنیا کی ہر شے میں مضمر ہیں اور اس سے کائنات کا بڑا سا تذکرہ اور پھوٹے سے چھوٹا ذرہ خالی نہیں ہے اگرچہ بقدر مراتب ان جوہروں یا قوتوں کا حصہ ان میں دو ہیعت ہوا ہے۔ ان ہی پوشیدہ جوہروں سے خالق کا کھج ملنا ہے اور ان ہی قوتوں نے ہر شے میں ایک امتیاز پیدا کر رکھا ہے۔ انسان ان ہی سے انسان بنایا ہے اور جانوان ان ہی سے جانوان کہلا یا ہے۔ ان پوشیدہ باتوں پر شک کا ایمان نہیں ہے انہیں ان کی تلاش ہی نہیں ہونے کی اور جب تلاش نہ ہوئی تو پھر خدا کا ملنا بہت ہی مستبعد ہو جائے گا۔ ان پر ایمان رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ انہیں چاہئے ان کی حقیقت سے آگاہ ہو اور ان میں جو بات ہو جانے کی کوشش کرو۔ یہ قوتیں اگرچہ چھپی ہوئی ہیں مگر ان کے نام ہر زبان میں موجود ہیں اور سب نے انہیں تسلیم کر لیا ہے اگرچہ انکی حقیقت کے سمجھنے میں سب سے بڑی دھوکا کھایا ہے۔ اہل علم میں جو ان کی تہ تک پہنچنے ہوں۔ ان ہی قوتوں کے نام ہر زبان پر جاری ہیں اگرچہ وہ نام کی افراط ان کے مفہوم کا نہیں کر سکتے۔ مثلاً ایمان۔ یقین۔ اعتقاد۔ ادراک۔ فہم۔ جس وغیرہ۔ یہ الفاظ تو بیشک ہمیں یاد ہیں لیکن چون کہ ہماری زبانیں محدود ہیں اور جنہیں ہم بار بار ثابت کر چکے ہیں۔ اچلتے ان جوہروں میں سے ایک جوہر کی ایک صفت کے نزدیک جو صفت کا مفہوم بھی ادا نہیں ہو سکتا۔ ان جوہروں کی شناخت کرنی اور یہ سمجھنا کہ صرف مادہ ہی ان صفوں کو پیدا نہیں کر سکتا بلکہ ارض و سما کے خالق کے ہاتھ میں ہی موجودی ان صفات میں جن سے انسان بنا ہوا ہے یہ صفیں وادیت تو کسے اور بغیر کسی مرضی کے انہیں کوئی ہی نہیں پاسکتا۔ جب ہم نے یہ سمجھ لیا کہ خدا دے جوہر جو انسان کی زندگی اور کل مخلوقات پر افریقہ کا باعث ہیں خدا کی خاص نعمتوں

میں سے ہیں اور وہی مطلقاً کہتا ہے تو اس خیال کے چمٹنے ہونے سے مثلاً ایسے خالق کی عبادت کا خیال آتا ہو اور وہ فوراً اپنی بے بضاعتی کا اقرار کر کے سر پہ دھو جاتا ہے میں پہ نہیں سے معرفت اور حقیقت کے دروازے اس پر کھلی جاتے ہیں اور وہ عالم وحایات میں ترقی کرتے کرتے کامل انسان بن جاتا ہے جب انسانیت میں اسے کمال ہو جاتا ہے تو سہرہ اپنے حقیقی خالق کی مخلوق کی اصلاح کی طرف رجوع ہوتا ہے اور جو کچھ خداوند تعالیٰ نے اسے عنایت کیا ہے وہ اپنے بہائیوں کو دینے میں دریغ نہیں کرتا خواہ روپیہ سے خواہ نضلح سے خواہ نیکی سے خواہ کسی اور طرح سے پہلا جوہر روحانی فضائل کا کمال ہے کیونکہ بغیر اسکے آدمی نہیں بن سکتا اور ہر دوسرا درجہ تمدن کا فایم کرنا ہے اس سے ایک یہ بھی بات ثابت ہوتی کہ مخلوق کو وہی شخص فائدہ پہنچا سکتا ہے جس کا تعلق خداوند تعالیٰ سے ہوگا اور جس نے خالق سے کوئی واسطہ نہیں ہے جس سے کبھی ہولے سے ہی اپنے معبود کو ملا نہیں کیا وہ اسکی مخلوق پر کیا ہدایت کر سکتا ہے۔ نہ تو سہی دیر کے لئے فرض کر لیں کہ ملیوں کے مفروضہ اصول صحیح ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جنگ این ملحدوں نے نبی نوع کی کچھ اصلاح کی اور جنگ دنیا میں ان کی ذات سے کوئے تمدن کا فایم ہوئے۔ انہوں نے خدا کی مخلوق کو کیا فائدہ پہنچایا اور ان کی ذاتی حالت زندگی بہتر کیا رہی۔ بہت سی یو بی ملیوں کی حکایتیں سنیں ہیں کہ سترے وقت ان پر کیا مایوسی کی حالت طاری ہوتی اور اخیر انہیں اپنے مذہبی پیشوا کے آگے خداوند سبحان کا اقرار ہی کرنا پڑا کاش زندگی میں ہی ان کے دل پر صدیائوں کے خداوند سبحان کا کچھ اثر ہوتا نہ ضرور وہ ان کے دہنے بازو پر پیچھے کے لگور کا شربت نوش جان کرتے مگر آخری توبہ سے کیا ہوتا ہے اب تو انہیں کچھ پانا اور دانت پینا پڑ گیا

۱۔ محمدیہ مسلمانوں میں محمدیہ کہہ پیدا ہونے اور اس کی وجہ یہ ہو کہ اسلام نہ تو یہ کہتا ہے کہ مذہب کی بنیاد کسکی فوق الفطرت بات کے ایمان لانے پر منحصر ہے نہ اسلام کوئی فعل کے خلاف عقیدہ پیش کرتا ہے وہ تو یہ کہتا ہے کہ خدا کو ایک نوا کسی کو اسکا شریک نہ بناؤ اور بس جب خدا پر کامل ایمان ہوگا تو نبوت اور معجزہ کا راز باسانی سمجھیں آج کل اور یہ کہ کوئی دشواری نہیں خدا سے تقابل کے یہ راز ہیں جسکا پتہ اس سے تعلق پیدا کرنے پر موقوف ہے بعض عقل کے نکلے ٹرانے سے یہ باتیں سر حاصل ہوتیں۔ جو کچھ مجھے معجزہ اور نبوت کے بارے میں لکھنا تھا لکھ چکا اور خیال ہے کہ فی الحال شاید اسی قدر کافی ہوگا یہ مضمون غور سے چڑا گیا تو امید پڑتی ہے کہ بہت سے شکوک حل ہو جائیں گے اور نبوت اور معجزہ کا مفہوم آگے بڑھے بغیر آج کل بعض اپنی عقل اور علم کے زور سے ہرگز خدا کا راز نہ تلاش کروں سبط حق و فلسفہ کو ہرگز ایسی باتوں میں دخل نہ دو۔ بلکہ نہایت خوش نصیبی اور ہما کبازی سے خدا سے تعالیٰ کے اس راز کی جستجو کرنا ہی ہم کا سیاب ہو جاوے۔

چودھواں باب کثرت ازواج

کثرت ازواج کا مسئلہ جو کہ معاشرت اور تمدن سے زیادہ متعلق رکھتا ہے اسلئے بہت ہی لمبی سے چلا جا رہا ہے اور عام طور پر خیال بوجہ کرنے کے لئے اس سے زیادہ ضروری مضمون شاید اور نہ نکلے۔ عورت جو انسانی معاشرت کی ایک جزو اعظم ہے ہمیشہ سے نئی نئی صورتوں میں دنیا کی تماشہ گاہ پر اس نے جلوہ کیا ہے۔ کہیں وہ مانا کی صورت میں آئی ہے اور کہیں بی بی اور کہیں بہن اور کہیں بی بی کی تعلقات کے اختلاف کی وجہ سے اس کے علاج میں بھی فرق ہو گیا اسی فرق اگرچہ کل قوسوں میں تین طور پر پایا جاتا ہے مگر اس کا رنگ بھی ہر ملک میں جا کے بدل گیا ہے اور قدرت کہی اسے ایک حالت پر قائم نہیں رکھ سکی عورت جس کی تنظیم اخلاقی طور پر بہت ضروری تھی اور وہ بحیثیت اسکے کو دنیا کی ماں ہے بہت ہی محترم تھی عورت نے اول درز سے اس کا مناسب احترام نہیں کرنے دیا اور اسے ایسی شرمناک حالت میں رکھا جس سے زیادہ شرمناک ملتی ممکن نہیں۔

اگر نفس تمدن کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اس سے زیادہ واجب الاحترام چیز دنیا میں کوئی نہیں ہوتی کیوں ایک طرف تو یہ دنیا کی ماں ہے اور دوسری طرف شہنشاہوں کی اور پھر علما اور فخر کی اسی سبب پیدا ہوئے اور اسی کا خون کہاں کہاں کے رحم میں پروش پانی مگر تیرے ہو کے سبب اس کے واجب اعزاز سے پہلو تکی کی اور نہایت نا انصافی سے اسکے ساتھ بناؤ گیا۔ یہ کمال اس عورت میں ہے کہ پیش میں یہ رکھے پیدا ہونے کے بعد پرورش یہ کرے دوویں پلائے اور نہایت بہن حالت میں انسان کی خبر گیراں ہو مگر جب وہ بڑا ہو جائے اور اس میں قوت آجائے تو پھر اپنی اتنی بڑی محنت کی طرف توجہ بھی نہ کرے بلکہ حال کا نہ طور پر اس پر نظر کرے اور یہ سمجھے کہ جلیق دنیا کی اور چیزیں بنا کر جمادات کی قسم سے میرے فائدہ کے لئے بنائی ہیں اسی طرح ان عورتوں کو بھی میری اطاعت کے لئے پیدا کیا ہے میں جس طرح ان سے چاہے بیش آؤں مجھے زیادہ ہے یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے انسان کو ناسپاس نہ کیا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اس میں ناسپاسی کی صفت موجود ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ وہ جلی ناسپاس ہے۔

جبکہ دنیا میں تاریخ کا کھج لگتا ہے کبھی اس کا پتہ نہیں چلتا کہ کسی قوم نے بھی محنت کی عورت کرنا تو کہا ہے ہم کہا یا ہو اور اس کے حقوق اسے پورے دیے ہوں ہمیشہ عورتوں کو ظلم ہوا اور ہمیشہ ان کے حقوق غصب کئے گئے اور بلاوجہ ان پر تاخت کی گئی۔ اسلام اگر ان کی حمایت نہ کرتا تو وہ خبر نہیں بربادی کی کس حد تک پہنچ جاتیں اور اس سے مخلوق پر کس وجہ تباہی آتی عورت کیسی ہی پارسا ہو اکیسی ہی حافل اور ہوشمند ہو مگر وہ کسے آگے نہ اداں بھی جاتی ہے اور کبھی اس سے اہم معاملات میں مشورہ نہیں لیا جاتا اور نہ اس کی کسی بات پر عمل کیا جاتا ہے

حضرت سید علیہ السلام معیا اعیانوں کا خیال ہے بے باپ کے پیدا ہونے اگر یہ سچ ہی مان لیا جائے تو معجزہ حضرت بی بی مریم علیہ السلام کا تہاد کہ حضرت سیم کا مگر قوم نے اپنی اسی سودوئی عادت کے بموجب اور اپنی چلی نکاح کی بنا پر حضرت مریم کو تو پوچھا بھی نہیں اور حضرت سیم کو لے آئے اصافیر نہیں تیسرے آسمان پر چڑھا دیا باریاہ حیت کا جوش آیا تو حضرت سیم سے اُن کی ماں کو جبرئیلان ولوا دس اور گیش تک دینے دیا۔ تعظیم ہے جو کونہ ذیلے عورتوں کی اور یہ تو قیر ہے جو اس کائنات کی ماں کی گشتی مسعودہ نہاد میں عورتیں خواہ گنتی ہی تریں تو جائیں لیکن بہن گی مردہ کی دست نگار داس دھبے وہ کسی آگے نہیں بڑھ سکتیں۔

عورتوں کی ایک دردناک یہ کہانی ہے اور ان کی بیٹی ایسی خون آلود ہے کہ جسے سخت دل بھی چار لفظ نہ سن سکے گا۔ دنیا کی پیدائش سے اب تک (دسوائے زمانہ اسلام کے) عورتوں کا ہیثمہ زوال رہا ہے اور انہوں نے کبھی قوم کے ساتھ ترقی نہیں کی اور نہ انہیں کبھی کچھ عجب ہوا۔ وہ ہمیشہ بیع کر رہی گئیں اور وہ بھی اس ہی طرح سے کہ خدانہ دیکھائے۔ رومنہ الکبریٰ جو مغربی عیسائیت کا پائے تخت تھا عورتوں کے لحاظ سے سخت درہنہ ترقی یافتہ میں تھا۔ پادریوں کے اونٹوں سے انشاء میں شاہراہوں پر فوج کو اڑا دی جاتی تھیں اور بے درد آفٹننگ منگرتے تھے۔ انہیں بٹل لونڈیوں کے بنار کھانا بلکہ سنگدل سے ان پر چارہاء حکومت کرتے تھے۔ ان کی آسامش سے غرض تھی اور خوشی سے وہ چاہے دکھ میں ہیں یا خوشی میں رکھیں مرد کو خوش۔ ان کے خلاف پادریوں کے جتنے فتوے جاری ہوئے تھے ان کی بہت آسانی سے بے چون و چرا تعمیل ہو جاتی تھی اور ان کی جان سب کا بایاؤ ضیق میں بھسنائی جاتی تھی۔

جادو کے الزام میں بھی خدا کی اسی مظلوم مخلوق پر دبا میں کیا گیا آفتیں برپا ہو گئیں اور کیا ایک قسم ٹوٹ گئی جس طرح دنیا اور یورپ میں زندہ جلا دی گئیں اور کس بے دردی سے انہیں تھوڑے عرصوں اور دایا گیا عالم عورتوں کے پیٹ چاک کر کے بچہ نکالے گئے اور اطفال ظالموں کو فدرس دیا۔ جتنے خراب نام کہ انسان اپنی زبان میں تلاش سکتا تھا اب ان ہی بچہ خوں کے لئے مودوں کئے گئے اور پھر بھی کچھ ٹھنڈا نہ ہوا، انہیں شیر خوار کی کجالت میں زندہ و گور کیا گیا اور نامزدوں نے اپنی اس بزدلی پر پھینس بجائیں مانت سنگدلی تو کیسی ہے جو ہے کہ کبھی بھی ان حصص بچہ خوں پر ذرا رحم نہ آیا جن مظلوم کا ذکر چڑھنے سے رونے لگتے ہوئے ہیں وہ دیکھ دانستہ بے گناہ بؤہیں عورتوں پر توڑے گئے اور ذرا بھی درود نہ آیا۔ وحشی اقوام کے وحشی معبودوں کے قدم تہ تک بیگانہ عورتوں کے خون سے تر ہے ہیں۔ خافقا ہوں اور گرجوں کے ترختے اور خندوں کی کوٹھریاں ان بے گناہوں کی لاشوں سے مدقوں شر کی ہیں۔ ایک صاحب پایا اور سی کا معمولی اٹاٹہ صداعورتوں کے لئے عزائیل کا حکم کہتا تھا۔ انہیں صدیوں نہایت خرسناک حالت میں رکھا گیا ہے وہ خرسناک حالت چونکہ انگوں سے دیکھی جاسکتی ہے نہ فطیالی ادھم ان کا احاطہ کر سکتے ہیں سموتہ الکبریٰ میں کیا ہوا مشرقی سلطنت یعنی قسطنطنیہ میں کیا جاتی ہندوستان میں ان سے کیا سلوک کیا گیا ایران میں ان پر کیا گیا آفتیں نازل ہوئیں اور سب سے زیادہ یورپ میں ان پر کیا گیا قسم ہے

گئے عیسائیوں کی خانقاہوں اور گرجوں نے ہندوؤں کے مندروں اور شوالوں نے آتش پرستوں کے آتشکدوں نے یہ کل شرمناک اور خونی منظر اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں اور وہ کل قیامت کے دن رب الافواج کی بارگاہ میں عورتوں کے مظالم کی عینی شہادت دیں گے۔

جہاں ان پر یہ ظلم کئے جاتے تھے وہاں ان کی اخلاقی حالت کو بھی بالکل مٹایا جا رہا تھا۔ ایران میں تو یہی اور بہن کی تیز رہی اٹھ گئی تھی مشرقی نصاریٰ ماں کو مال ہی نہ سمجھتے تھے اور ہندوؤں نے تو انہیں یہاں تک برباد کیا تھا کہ ایک ہی عورت کئی بہائیوں سے تعلق پیدا کرے۔ جسمانی سزاؤں کے علاوہ یہ اخلاقی آفتیں تھیں جو ان پر توڑی جاتی تھیں اور کائنات کی ماؤں کی علانیہ پروگت بنائی جا رہی تھی پیغمبر اوتار اور مصلح پیدا ہوئے اور اپنی ہی جنس کے بہبود کی خاطر عد بنا کے چلے یہ مگر کسی نے بھی سوائے خاتم النبیین کے ان کی درناک حالت پر توجہ نہیں کی حضرت موسیٰ حضرت داؤد حضرت یعقوب علیہم السلام نے عورتوں کے ساتھ کیا کیا اور کون احکام نافذ فرمائے حضرت یحییٰ نے عورتوں کے کون سے حقوق برقرار رکھے ہندوستان میں دیدوں کے مصنفوں نے کیا کیا اور بودھ نے اپنے اصلاحی اور فانی التدریج سے عورتوں کو کیا فائدہ پہنچایا کچھ بھی نہیں بس اگر کیا تو کیا کر انہیں اور بھی آفت میں پہنسا دیا اور ان کی کچھ بھی چارہ جوئی نہیں کی۔

دنیا میں اگرچہ کل قوموں کے مزاجوں کے اختلاف کی وجہ سے خیالات محسوسات معاشرت اور عقائد بالکل الگ الگ ہیں مگر عورتوں کے معاملہ میں یہ عجیب بات ہو کہ سب کی ایک ہی رائے اور ایک ہی خیالات ہیں اور جہاں تک ممکن ہو اسے ہر شخص نے دوسرے شخص کی تائید ہی کی ہے ظلم کی ایک حالت ہو جو جنوب شمال اور مشرق و مغرب یکساں ہائی گئی ہے اس میں نہ یورپ میں جا کے کچھ فرق آیا ہے اور نہ ایشیا میں جا کے سمجھنے کی بات ہے کہ جن چیز سے دنیا دنیا بنی وہ کتنی احترام کے قابل ہونی چاہئے مگر انہیں اسے حتی الامکان قدموں کے نیچے کھلا گیا اور اس کے برابر کرنے کی کوشش کی گئی۔ نہ مذہبی قوانین نے عورتوں کی رعایت کی نہ ملکی قوانین ان پر کچھ ترس کہا یا ان کے حق میں تو سب ہی عزائم ثابت ہوئے اور ان کے گلے پر تو ہمیشہ سب کی پھری تیز رہی۔

جتنی قومیں دنیا میں ہیں اور برباد ہو گئیں اور جتنی قومیں آج دنیا میں موجود ہیں سوائے ایک قوم کے بشرطیکہ اسے اس کے ذہنی پہلو سے دیکھا جائے کوئی قوم نہ ایسی ہوئی نہ اب موجود ہے جس نے عورتوں کا پاس رکھا یا ہو انہیں مردوں کے پہلو پر پہلو حقوق دیئے ہوں اور ان کی ایسی تعظیم کی ہو کہ ان کے قدموں کے نیچے جنت رکھ دی ہو یعنی ان کی طاعت کو نجات کی گنجی بنایا ہو کہ س نے عورتوں کو ام المؤمنین کا احترام مقب دیا ہو اور کس نے عورتوں کو مردوں کا سرتاج بنایا ہو۔ قرآن نے جہاں روحانی فضائل کی بنیاد دنیا میں قائم کی ہو وہاں انسانی تمدن کو بھی آسمان پر چڑھا دیا ہے اور کائنات کی مال بھی عورت کو مرد کے ساتھ ایک ہی پیمانہ پر رکھا ہے مثلاً جہاں اولاد کو حکم ہوا ہے کہ تم اول کس پر احسان کرو تو دناں والدین کا لفظ فرمایا ہے۔ اس میں ماں باپ

دو دنوں ہی آگئے اب یہاں سے گویا عورت و مرد کی مساوات کا سلسلہ شروع ہوا اور اس نے بیسٹیکلم کی تقویم پاریئہ کو باطل بارہ بارہ کر دیا۔ یہ ایک عجیب اصول تھا جو اسلام نے تمام دنیا کے خلاف قایم کیا اور یہ ایک عجیب قانون تھا جو دنیا نے اس سے پہلے کبھی آنکھ سے نہ دیکھا تھا۔ اگرچہ اب بیض معمولی نظروں سے دیکھا جائے گا مگر جب یہ خیال جائے گا کہ یکدم کس وقت دیالیا تھا تو اس کی وقت پوری اس وقت دل میں جھمکے گی۔ دنیا ایک ہی طرف پر چل رہی ہو اور تمام عالم کا ایک ہی خیال ہو اور ہر ایک شخص دنیا کے بدترین خطیں پیدا ہو کے مخالفت کرے اور دنیا سے لڑنے لگے ہو جائے اور ہر اپنے اس دشوار کام میں تمام اقوام سے باڑی چلنے کی محنت، ایک لاکھ لاکھ بنات بنیاد بنیاد میں فرق رکھا ہے اور دونوں کی جسمانی بنیاد میں جو کچھ اختلاف ہے وہ چھاپا ہو نہیں سکتا مگر اس اختلاف کا یہ نتیجہ نہیں ہو سکتا کہ عورت مرد کی اطاعت کرے اور اطاعت بھی کسی کی مثل جادات۔ بنات کے اس کے مقابل میں بھی جائے۔ دنیا کو کوئی کام ایسا نہیں ہے جو عورتیں نہ کر سکیں وہ کسی حالت میں مخدوم نہیں ہیں۔ میدان جنگ میں انہوں نے کام کیا ہے اور جہانداری میں یہ حقہ دار اور نامور بی بی ہیں۔ ان کے کارنامے عالم میں مشہور ہیں اور ان کی ذہانت طباطبائی اور عقل کی زمانہ نے ہمیشہ داد دی ہے۔ بانہمہ ہر قوم نے ان پر ظلم کیا اور دنیا کے ہر ملک میں انہیں انسانی الشرفیت کا ایک بدنام خیال کیا گیا۔ رحم اور صبر فطری طور پر ان میں نادرہ ودیعت ہوا ہے اور یہ نسبت مردوں کے زیادہ جفاکش اور مخزن پرست ہوتی ہیں۔ ان بچاریوں پر طرح طرح کے حملے کئے گئے کبھی انہیں انتہا درجہ بزدل ثابت کیا گیا کہیں ان کی صحبت پر تنہا یا گیا اور کہیں انہیں شیطان سیرت بتایا گیا ہمیشہ ان کے عیب تلک بے شمار بنائے گئے اور مردوں کے مقابل میں بہ صورت انہیں ناچیز ٹھہرایا گیا۔ وہ منہیں معلوم ہوتی کہ ایک ہی جرم ہے اور دو عورت و مرد اس کے مرتکب ہیں مرد سے تو کچھ نہ کہا جائے مگر عورت کی گردن مار دی جائے مرد نے زبردستی خلاف فطرت عورت کو اپنا محکوم بنالیا ہے اور وہ اس پر جابرانہ حکومت کرتا ہے۔ عورتوں کے فریب اور دغا بازیوں ہر قوم میں مشہور ہیں اور عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ عورت سے زیادہ فطری دنیا میں کوئی نہ ہو گا۔ مگر یہ یکطرفہ فیصلہ ہے خود ہی مدعی خود ہی مجوز بنے جا ہے جو کچھ کر دیا فیصلہ ہمیشہ ثالث شخص کیا کرتا ہے اور چونکہ ثالث کوئی ہے نہیں اسلئے اس فیصلہ کی کوئی وقعت نہیں جو مدعی فی خود ہی کر لیا ہو۔ عورتوں کے سر جھک کر فریب چپکے جاتے ہیں اگر وہ تسلیم کر لے جائیں بہر ہی ان دغا بازیوں اور جھلسا زبوں سے جو شہ رزم مرد کرتے نہ سہتے ہیں عورتوں کا وہ بہت ہی گستاخے گا اگر مرد نے لاکھ خون کئے ہیں تو عورت نے بشکل ایک کیا ہو گا اگر مرد نے ہزار بار فریب کیا ہے تو عورت نے ایک بار کیا ہو گا۔ یہ ایسی بی بی بایں ہیں کہ ان سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ مگر محض انی اغراض کو مد نظر رکھ کے اپنے معاصی سے چشم پوشی کی گئی ہے اور عورت کے ہر اونٹے سے اونٹے عیب کو بایں پر چڑایا ہے۔ عورت کی بدکاری سخت ہر خوف نظروں سے دیکھی جاتی ہے جبکہ مرد کی بدکاری پر اتنا خیال نہیں کیا جاتا۔ یہ انتہا درجہ کی خود غرضی نہیں تو او کیسا ہے عورت ایک دفعہ عیب کرنے کے بعد ہر تمام عمر کسی کام کی نہیں رہتی مگر مرد تمام عمر عیب کے اس کے

عیب یہی نہیں گئے جائیں گے۔

حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا جب ظہور ہوا ہے دو سلطنتیں ہمسایہ بھی تھیں اور قوی ترین بھی نہیں ایک زرتشتی مذہب کا پاسے تخت تھا اور دوسرا مشرقی عیسویت کا دارالامارہ تھا یعنی ایران اور قسطنطنیہ رومنہ الگبری کا کبھی کا چرچا گل ہو چکا تھا اور وحشی قومیں کہی کی اس کی اینٹ سے اینٹ بجا چکی تھیں۔ ایران میں تو عورتوں کے لئے کوئی بھی قانون نہ تھا نہ ان کے کچھ حقوق سلطنت کی طرف سے انہیں عطا ہوئے تھے اور نہ شوہر کے گھر جانے سے وہ کسی قسم کے حقوق حاصل کر سکتی تھیں۔ بلکہ ان پر تمام دنیا کے حق تھے اور ذلیل سے ذلیل کام لینا جائز قرار دیا گیا تھا۔ اسی آزدادی نے قدیم سے کسی کسی شادیوں کی رسم کی دنیا میں بنایا وہاں تک کہ لوگ محض اس وجہ سے کہ پیشل ایک بازار کی چیزوں کے ہیں جنہی چاہتے گھر میں بہرہ لیتے ہیں ان کی خبر گیری اسی قہمی جاتی تھی کہ بہت معمولی کمانا دیدیا سونا جھوٹا کر پھینا دیا اور اسکے صلہ میں ان سے تمام دنیا کے کام لینے اس کے علاوہ اور کسی قسم کی خبر گیری سے کام نہ تھا اور نسل بیکار جانوروں کے انہیں سمجھا جاتا تھا۔ عام طور پر خیال تھا کہ دنیا میں عورتیں صرف اولاد کے لئے پیدا کی گئی ہیں ورنہ ایسی بیکار چہرے پیدا کرنے کی اور کوئی غرض نہیں ہو سکتی تماشہ کی بات ہو کہ ان عورتوں سے جو اولاد پیدا ہوتی تھی وہ تو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی اور کل وارث وہی قرار دی جاتی تھی مگر اس کج مت کے لئے وہی ڈاک کے تین پات موجود تھے۔ مثلاً ہندوؤں کے ملکی قانون میں موجود ہے کہ بی بی خاوند کی جائداد میں سے سوائے گزراوقات کے اور ایک چہرہ لینے کی سخی نہیں ہے اور قانوناً اسے کچھ بھی اختیار نہیں ہے کہ بیٹے کے مقابل میں جو اسی کے بطن سے ہے ایک بیبی ہی لے سکے ہر طرح بہانیوں کے مقابل میں وہ اپنے باپ کے ہڈی کی ہی مالک نہیں بن سکتی اور اس حسرتناک حالت میں وہ اپنی زندگی گزار دیتی ہے۔ وہ منظم جو قدیم زمانہ میں عورتوں پر ہونے لگی تھی ان کا بغیر چلا جاتا ہے اور شاید جب تک یہ کل قومیں مسلمان نہ ہو جائیں عورتوں کی حالت درست نہیں ہو سکتی۔ ایران کی بھی یہی کیفیت تھی بلکہ ایرانی معاشرت تو ہندوستان سے بھی کسی درجہ کم تھیں گئی تھی۔ ہندوستان میں تو صرف سی قدیم تا گیارہ جاتی ایک ہی عورت سے شادی کر سکتے تھے اور بعض قبائل عورت جبراً مرضی کی جاتی تھی کیا کرتی ظلم ظالم مارے اور روئے ندو سے مگر ایران میں یہی تعلقات پر بھی بی بی چڑھتی تھی سگی بہن بیٹی اور بعض اوقات ماں بھی بی بی بناتی جاتی تھی اور ایک شخص کے لئے اس کی بیٹی اسلئے جائز کر دی گئی تھی کہ باغبان جس طرح درخت بو کے اس کا پھل کھائے کا قدیم تہذیب کا یہاں کیا ہے اس بنا پر اب کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ بی بی کو اپنے استعمال میں لائے۔ اگرچہ ایران میں اس فوج رسم کو کوئی عیب نہیں لگتا جاتا تھا اور چونکہ عام طور پر رائج تھی اس نظر سے یہ کچھ عیب بھی نہ رہی تھی۔ تو یہی عورتوں کی انتہائی کج مت کا اس سے پتہ چلتا ہے جب ان ناباک تعلقات کا سلسلہ قائم تھا پھر ادب و ادب عورتوں کی تعظیم و تکریم اہل ان کے حقوق کیوں کر قائم ہوتے۔ اگر تہذیبیہ دیکھیں ہم یہ فرض کر لیں کہ یہ رشتے دنیا میں انسان کے قائم کئے ہوئے ہیں۔ اعداد کو اس میں کچھ دخل نہیں یہ سوال کرنے میں کہ یہی قاعدہ دنیا میں جاری ہو جائے تو ہر معاملات تغیر و تبدل۔ انتقال جائداد۔ پاس و ادب حقوق کی نگاہ سے توجہ۔

جسکے آئینہ میں کیوں کر قایم رہ سکتی ہے اور جب دنیا سے تمدن اٹھ گیا تو پھر کیا دی اور سرسبز سی بہر ایک کام میں باقاعدگی انتظام کیوں کر قایم رہ سکتا ہے۔ یہ تعلقات اگر براہِ دست خدا کی طرف سے قایم کئے گئے ہیں تو اچھلتے پھرتے ہوئے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر انسان نے قایم کئے ہیں تو خوب سمجھو کہ جس فعل نے یہ قوانین تراشے وہ فطری فعل ہے اور اس میں ایسی ہی آئینہ ضرور ہے۔

سلطنت مشرقی یعنی قسطنطنیہ کی ایسی کیفیت تھی یہاں کثرت ازواجی نے بہت سی وقتیں پیدا کر دی تھیں۔ پادری اگرچہ شادی نہیں کرتے تھے مگر شادی والوں پر بہتے تھے یہی طرح خالق ہوں میں جہاں خداوندیج کی محترم تصویر کی پرستش ہوتی تھی اور جہاں روح القدس روزِ مرقوم سے آسمان سے پادریوں پر نازل ہوتی تھی زنا کاری کی انتہا ہو چکی تھی پادریوں کا لواحقین کہ سب پر تیرتا اس لئے ان کے فیصلے سے کوئی انکار ہی نہیں کر سکتا تھا سب کی ہوسٹیاں ان کی پٹلیں بجا تھیں اور حلال نہیں اور مظلوم عورتیں بھی اپنی جان اور اپنے رشتہ داروں کی بربادی کے خوف سے اپنی مصمت کا تاج و فرشتہ کرنے میں کچھ بھی پس و پیش نہ کرتی تھیں۔ باہمہ پادری اپنے تقدس کی وجہ سے اس تعلق کا انکار بھی نہیں کرنا چاہتے تھے اسلئے عام عورتیں ان سے خافون میں رہتی تھیں جو ہر خائفہ اور ہر گرجے میں بنے ہوئے ہوتے تھے۔ وہیں ان کی گناہ و لکڑی کا وضع عمل ہوتا تھا اور وہیں رحم دل پادری کے حکم سے نوپیدا بچہ مالدیا جاتا تھا۔ اور اسی طرح ریح القدس کی برکت کی پوری تکمیل ہو جاتی تھی۔

جب تک سلطنت مشرقی میں شخصی حکومت رہی عام طور پر زیادہ عورتوں کے کوسلے کی روک ٹوک رہی مگر جب سے پادریوں کی جمہوری حکومت کا رنگ سلطنت نے اختیار کیا یہ فیصلی جاتی رہی اور عام طور پر شخص کو اجازت ہو گئی کہ وہ چاہے جنسی عورتیں رکھ سکے۔ ساتھ اس حکم کے عورتوں کے حقوق میں کچھ بھی رعایت نہیں کی گئی اور انہیں کوئی ایسا قانونی یا لگیا کہ وہ مردوں کے مقابلہ میں اپنی حفاظت کر سکیں۔ انہیں مثل اثاث البیت کے خیال کیا جاتا تھا حدائیں تھیں۔ مجبوراً منصف تھے مگر عورتوں کے لئے ان کے بدروا سے بند کر دیئے گئے تھے خاوند کو حق حاصل تھا کہ وہ چاہے جس طرح اپنی بیبیوں کو رکھ سکے ان کی جانوں کا بھی اسے اختیار حاصل تھا اور ان کے مال کا بھی وہی مالک ہوتا تھا پھر کہ حضرت مسیح نے کوئی صاف یا تبسم حکم عورتوں کے حقوق کا نہیں دیا تھا اور نہ کثرت ازواج کی طرف کوئی اشارہ کیا تھا اسلئے ہر شخص سلطنت کی طرف سے عورتوں کو رکھنے اور ان سے ہر قسم کا برتاؤ کرنے کا جائز و لگیا تھا۔

ان سلطنتوں کی تو یہ کیفیت تھی مگر جہاں حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تھا وہاں عورتوں کی اور بھی ناگفتہ بہ حالت تھی سوتلی ماں کو بی بی نہالینے کا قانون نصرتوں میں عام طور پر جاری تھا۔ نوپیدا بچہ کی کوئلہ دیکھ کر دینے کی ہولناک رسم بہت شدت سے کی جاتی تھی۔ یہودی نصرتی بہت پرست اور ستارہ پرست قومیں مسیح کی بیبیاں رکھتی تھیں مگر انہیں مثل معمولی جانوروں کے خیال کیا جاتا تھا۔ اور خاندان میں ان کی کوئی ہی وقعت نہ تھی اس زمانہ میں حضور انور کا ظہور ہوا اور آپ نے بہت خوراک و درہ سے عورتوں کی موجودہ حالت کو دیکھا اور آپ نے ان کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ قدم قدم پر ان کے غمناک کی تائید شامل تھی اور آپ کا ایک ایک لفظ ریح القدس کی آمیزش سے سرزد

ہوتا تھا آپ نے عورتوں کی معاشرت کو جیسا بلند سی پرہیز یا قیامت تک فرقہ وارانہ آپ کا منہن رہے گا۔ آپ نے سب سے پہلے عورت و مرد کے اس امتیاز کو دو یکساں سے عورتیں بے حقیقت لوندیاں اور مردان پر حاکم بن گئے تھے۔ آپ نے دونوں کے جرم کو ہون قرار دیا۔ اور ذاتی اور ذاتیہ کی ایک مندرستی ساتھ ہی آپ نے دونوں کے حقوق کی مساوات کی اور ایک قدیم فرقہ کو چھپیں سے اڑا دیا۔ آپ نے ان کے مابین مقرر کئے اور سب کے ساتھ احسان کرنا فرض قرار دیا۔ آپ نے اگر مرد کو طلاق دینے کی قوت دی تو عورت کو اس کے مقابل میں خلا کی قوت عنایت کی۔ آپ نے لڑکی کا ورثہ باپ کی جائیداد سے بہائیوں کے مقابلہ ایک حصہ مقرر فرمایا اس وجہ سے کہ لڑکی کو اپنے خاوند کا ایک حصہ ملے گا اور ساتھ ہی ہر گاہ بھی وہ حق کتبی ہے اصل کے کو دو ہر حصہ ملے گا کہ وہ کسی غیر شخص کے ورثہ کا مالک نہیں ہو سکتا۔ قاضی مقرر فرمائے اور عورتوں کو باطل آزادی دے دی کہ اگر ان کا خاوند کوئی تکلیف دے یا ظلم کرے تو فوراً قاضی سے داد رسی کی جائے۔ عورت اپنے مال کی آپ مالک ہے اور خاوند کی صورت سے بغیر اس کی مرضی کے اس کے مال کا مالک نہیں بن سکتا ہمیشہ اسے اپنے خاوند سے ملنے کا حق حاصل ہے اور وہ بغیر خاوند کی اجازت کے اپنے قرضہ پر عدالت میں دعویٰ کر سکتی ہے۔ اور ان سب باتوں پر مافوق یہ بات ہے کہ اگر عورت نصرانی ہے اور خاوند مسلمان وہ ہرگز اپنی بی بی کو گرجے میں جانے اور مذہبی ارکان اور کرنے سے نہیں روک سکتا اس سے زیادہ آزادی دنیا کے کس نہ ہب اور کس ملے گروہ نے عورت کو دی عورت کو کائنات کی سچی ماں بنا دیا اور اس کا احترام اسی شدہ سے کیا گیا جتنا کہ ہونا لازمی تھا۔

اب بحث یہ ہے کہ اسلام میں کثرت ازدواجی کا مسئلہ کس حد تک رائج ہے اور اس کی اصلیت کیا ہے آیا یہ ایجا و مسلمانوں کی ہے یا پہلے ہی یہ مسئلہ میں جاری تھا۔ اسلام نے اس مسئلہ کے شعل کیا راستے ظاہر کیے جو اور اسے کس حد تک سلجھایا ہے اور کتنی اس میں اصلاح کی ہے۔ اور اسلام کے کثرت ازدواجی کے کیا معنی ہیں غور کرنے کا مقام ہے کہ اب بھی اس تمدن اور تہذیب کے زمانہ میں بھی دنیا کے تمام تمدن اور غیر تمدن اقوام میں کثرت ازدواجی جاری ہے۔ خواہ جائز طریقہ پر اور خواہ ناجائز صورت سے اور کبھی دنیا اس سے خالی نہیں تھی نہ آئندہ کوئی امید کی جاتی ہے کہ یہ مہیب رسم انسان میں سے مٹے گی۔ اگر یہی قبول کر لیا جائے کہ مسلمانوں میں کئی کئی نکاح کرنے جائز ہیں تو ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کے ہاں جائز طریقہ سے کثرت ازدواجی جاری ہے برخلاف تمدن اقوام یورپ کے کہ ان کے ہاں کثرت ازدواجی جاری تو ہے مگر ناجائز اور مہیب طریقہ سے اور اس کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ یہ ناجائز طریقہ قوم اور ملک کے لئے کیا خزانہ ثابت ہو رہا ہے۔ پیرس۔ لندن۔ برلن۔ اور وائٹا کے سیاح جنہوں نے ملوں رکھے ان مغربی ممالک کی معاشرت دیکھی ہے وہ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں کثرت ازدواجی کس مہیب طریقہ پر جاری ہے اور تمدن پر اس کا کیا خطرناک اثر پڑ رہا ہے نصف نکاح یعنی حق کو شخص کسکتا ہے کہ فی ہزار شکل سے ایک شخص یا ایک لکھ بچے کو ناجائز کثرت ازدواجی سے بچا ہوا ہو ورنہ سب اس بلتے بے وسال میں گرفتار ہیں۔ اگر اس ناجائز کثرت ازدواجی کے کوئی نئے معنی پیدا کر لئے

یہ اسے مغربی تمدن کا ایک جزو خیال کیا جاتا ہے تو یہ دوسری بات ہے مگر انسانی اخلاق کی روسی ایسی کارروائی سخت ناجائز اور خلاف شان ہے۔ پیرس کی جو کچھ حالت ہے وہ کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے اور اسی طرح ویسٹ کل ہائے تختوں کی بھی کیفیت ہے۔ ایک کتاب میں جس پر مصنف کا نام نہیں لکھا ہوا اور جو یورپ میں انتہاء پر قبضہ ہے اور جو یورپ کی ہر زبان میں کئی کئی باطبع ہو چکی ہے اور جس کا نام ایٹنٹس آف سویٹل سامٹن ہے۔ ایڈیٹ کی کثرت ازدواجی کی بحث ہو اس لئے دکھایا کہ پیرس میں بالخصوص کیا خرابی پھیلی ہوئی ہے۔ وہاں حرام کاری کے لئے کیلے اٹھے بنی ہوئے ہیں اور کس طرح غریب دیہاتیوں کی ناواقف و دشیزہ لڑکیاں محض فریب دیکھ کر اس کے لئے لائی جاتی ہیں اور امر کی حالت کیسی خراب ہے اور فرقہ انات کی کیا کیفیت ہے اور وہ عام طور پر ایک شراب کے پیالہ پر کس طرح اپنی صحت علانیہ فروخت کر دیتی ہیں اور ایک ایک دو تین شخص کتنی کتنی لڑکیوں سے تعلق رکھتا ہے اور عام طور پر یہ ناپاک رسم سامے بڑے عظم یورپ پر پھیلی ہوئی ہے۔ اگرچہ یہ ضرور ہے کہ جس جم غفیر میں پارسعادت و مرد و بی ضرور ہوں گے مگر ایسوں کا شمار صرف انگلیوں پر ہے اور کوئی شخص نہیں کہ سنا کہ ان کی ہمیشہ یہی کیفیت رہے گی۔ ڈاکٹر مسیو لیبان مصنف تمدن عرب نے بھی اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ مسلمانوں کا جائز کثرت ازدواج یورپوں کے ناجائز کثرت ازدواج سے ہزار بار ادھ بہتر ہے۔ اسلام میں جس ویدہ دشمنی سے مسیحی کی جاتی ہے اور جس بُری صورت میں اسے پیش کیا جاتا ہے وہ مہیب صورت ہی یورپ کی موجودہ معاشرت کی آئینہ کیچہ حقیقت نہیں کہتی۔ فی الحقیقت عصمت عفاف بگنی ہے اور یورپی ممالک میں اس کا شکل کبچ ملکیتا ہے۔ مگر کہ اسلام میں اگر دو چار بیویوں کے کرنے کی رسم رائج ہی ہو تو یہی ایک نصف بنی شخص کے آگے ان کا فیصلہ بدعہ سخن گناہ کا ہیگا۔ اور یورپ کی ناجائز کثرت ازدواجی سخت مذکورہ معلوم ہوگی جبکہ دنیا کا ظہور ہوا ہے کثرت ازدواجی کی رسم ہر قوم میں براہِ جبل آتی ہے اور اس وقت بھی تمام دنیا پر بڑے زور شور سے جاری ہے دیکھو انہیں شخصوں پر مبنی آتی ہے جو مسلمان تو نہیں ہیں مگر مذہباً عیسائی ہیں جب کہ کثرت ازدواجی کا ذکر آتا ہے تو بہت ہی آنکھ بہوں چڑھا کے کہتے ہیں کہ مسلمان کئی کئی بیویاں کر لیتے ہیں یہ قوم فحشاں خواہشوں میں کیسی گرفتار ہے مگر جب وہ اپنے گریبان میں منہ ڈالیں اور باقراصل شہادت دیں کہ سوا دو ایک صابر اور زاهد نفوس کے کون شخص ہے جو صرف اپنی بیوی پر قانع رہا اور اس لئے کسی دوسری طرف آنکھ بہرے نہیں دیکھا بہتے بٹے رہیوں میں بیویوں سادوں کی کیفیت ہمیں معلوم ہے عوام اور متوسط درجے کے لوگ بھی اس میں گرفتار ہیں مہر پرستی شرناک معاشرت میں مبتلا ہو کے مسلمانوں کی ناجائز معاشرت پر اعتراض کرنا یہ کچھ خوبی کی بات نہیں ہے۔

دوسرا پہلو ہماری بحث کا یہ ہے کہ جن ہیئت ناک طریقہ سے اسلام کی کثرت ازدواجی دکھائی گئی ہے اس میں حق سے بہت ہی کم کام لیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ کوئی حق بات قلم سے نہ نکل جائے ہم اس مسئلہ پر بھی ایک بسیط بحث کریں گے اور خدا کی امداد کی امید پر ہم کہتے ہیں کہ ہماری کثرت ازدواج کی بحث ایک حد تک حل ہوگی مطلب یہی صاف جہاں ہو جائے گا اور معترضوں کے کل اعتراض بھی رفع ہو جائیں گے بھت افسوس ہے

کہا جاتا ہے کہ پہلے سال ایک ایسی کتاب کی ہندوستان میں اشاعت ہوئی ہے جو صرف نہایت بد مذہبی سے لکھی گئی ہے بلکہ بانی ہندی کے کو سا گیا ہے ادبی بہرہ رکھنے والی کہہ نا و حید پرست مخلوق کے مادی رجحان کو ناپاک سے ناپاک گالیاں دی گئی ہیں۔ وہ کتاب ہم نے بھی دیکھی تھی اور ہمیں اس نظر سے سخت افسوس ہوتا تھا کہ تعلیم یافتہ انسان ہونے کے ایسا ناشائستہ ہے اور ایک ایسے معصوم ہندی کی شان میں جسے ۱۳ صدیاں گزر چکی ہیں یوں دریدہ دہنی سے حملہ کرے۔ اس ناپاک کتاب کے کئی جواب بھی لائق مسلمانوں نے دیئے اگرچہ وہ جوابات بہت ہی اچھے اور کامل ہیں مگر یہی شخص کو اس کو سچے اور سچے مضمون پر بحث کرنے کی بہت ہی گنجائش اور اور امید پڑتی ہے شاید بے درپے کی بحثوں سے کوئی نئی بات اور پیدا ہو۔

تمام اعتراضات جو اہل اہل الذہن یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازمنہ پر کئے جاتے ہیں ان کی اگرچہ کوئی بنیاد نہیں ہے مگر انہیں جوئی منطق اور فرضی و خیالی فلسفہ کا ایسا جا رہنا یا ہے کہ نا واقف فہم پرست انہیں نکتہ چینوں کو دیکھ کر سر ہنسنے لگتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام میں یہ یہ شرابی بہری ہوئی ہے اور اس سبب سے اسلام کا یہ دعویٰ کہ مجھے دوسرے ادیان پر شرف حاصل ہے کر کے اہو جاتا ہے۔ نا واقف پھر کیوں نہ خیال کریں ہیں اس سے بحث نہیں اگر وہ تاریکی میں رہنا چاہتے ہیں میں انہیں اختیار ہی نہیں دیتا سیدنا مسک خدایا کرنا چاہو شاید ہم اپنے ارادہ میں کامیاب ہوں اور ناظر نفسیہ کا ایک حد تک طمیان کر سکیں۔

ہمیں سب سے پہلے حضور انور کی اصلی مشن کو بغور دیکھنا چاہئے اور ان کا حوالہ کی فطرت پر طعن کرنا چاہئے جو اپنے اپنی مبارک زندگی میں کئے۔ اگر ان کی فطرت کا ہمیں پتہ لگ گیا تو ہم سمجھیں گے کہ ہم نے اسلام کا ایک اہم فرض انجام دیا۔ یہ مسئلہ اگرچہ بہت صاف ہے مگر بعض اختلافی روایتوں نے اسے ایسا پیچیدہ بنا دیا ہے کہ ایک محقق کو بعض اوقات اس کے جملے میں سخت دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض علماء کی مختلف راہوں نے اس مسئلہ کو گونا گونا گوار بنا دیا ہے اور اس کا سمجھنا ایک حد تک مشکل ہو گیا ہے اور حق بہت ہی گہرائی میں چلا گیا ہے مگر یہی ایک محقق کے لئے تحقیق کا بڑا میدان موجود ہے اور وہ ان ہی متضاد روایتوں سے سخت وقیفہ آئنا کے بعد حق کے دریافت کر لینے میں کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

مسلمانوں کے لئے دنیا میں اگر کوئی کتاب ہو سکتی ہے اور ان کے تمام قضیوں اور اختلافات کا فیصلہ کر سکتی ہے تو وہ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید ہے اس میں کملی کملی باتیں ہیں اور فطرت کے سارے ہیچے ہوئے ہیں۔ اور اس قسم کے اہل اعتراضات کے جو اہل چاروں طرف سے ہو رہے ہیں شافی اور کافی جوابات بھی ہیں۔ یہی میں محدثوں کا یہی بیان ہے اور کہیں کہیں پرنسپل تذکرہ آپ کی بعض ازمنہ کا یہی حال ہی مگر افسوس یہ ہے کہ یہ سمجھنے میں اب تک بہت غلطی کی گئی ہے اور یہ اسی غلط فہمی کی وجہ سے کہ مسلمان خبیانہ آٹا سے ہیں اور پاک و دھرم سے دست و گریبان ہو رہے ہیں۔ اگر ان باتوں کا مطلب بخوبی سمجھ لیا جاتا اگر اسے مان لیا جاتا تو خداوند تعالیٰ نے اس میں حصر رکھا ہی نہ تھا کہ اس کے مقابلہ میں بناوٹی روایتوں کو کبھی نہ دیکھا جاتا اور صحیح حدیثوں

کی آبائی توفیم ہو جاتی۔

چوں کہ ہم یہاں سب سے پہلے آپ کی ازواج پاک سے بحث کریں گے اسلئے ہمیں اول سے چلنا چاہئے اور
دوسرے بعد ہر نکاح کی حقیقت اور فطرت کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کیا ہے اور اس کا کیا مضموم ہے اور اس میں صداقت کا
مادہ کتنا ہے بخود انویسکیچین کا زمانہ جس رہت بازی سے گزرا اس سے کوئی ہی انکار نہیں کر سکتا۔ ۷۵۔ برس کی
عمر تک آپ بن یا سہ رہے اور یہ پر شباب زمانہ جس اتفاق اور پرہیزگاری سے بسر ہوا اسے وہ بزرگ قوم اچھی طرح
سمجھتے تھے جو بعد ازاں آپ پر ایمان لائے تھے۔ اگرچہ آپ اپنے چچا ابوطالب کے پاس رہتے تھے مگر وہ آپ کا
باہر تنگ در کھتے تھے تجارت کا کام کاروبار آپ ہی کے سپرد کر رکھا تھا اور آپ جن بیات داری سے اپنے فرامین
کی انجام دہی کرتے تھے وہ ایسی مصدقہ کہ اس میں کسی مخالفت کو ہی اعتراض کی گنجائش نہیں ہے۔ ۷۵۔ برس کی
عمر میں جوانی کا پورہ بہار ہوتا ہے اور عرب کی نا پاک معاشرت اور فسادوں کی غلیظ تسم و راج سے اگر ایسی عمر میں کوئی
حصد یا مانا تو اس شخص میں نہ شور و غما نہ زیادہ تکبر و بینی کے قابل غلہ مگر نہیں روح القدس جو پیدا ہوئے ہی آپ کی
بمفرق ہی تھی ایسی ناہائز اور انسانی فضیلت پر دافع لگانے والی معاشرت کا آپ کی طبیعت میں ہی خیال ہی نہ آئے
دینی تھی۔ جب آپ حضرت بی بی صدیقہ الکبریٰ کا تجلی سامان لے کے فروخت کر کے تشریف لے گئے تھے تو اپنے
نصرتوں اہل بیہودیوں کی شرناک معاشرت کو دیکھ کے بہت ہی افسوس کیا تھا اور آپ انسان کی ارذل ترین
حالت سے بہت ہی متاثر ہوئے تھے۔ اپنے ملاحظہ فرمایا کہ مصنت، رجا، رہنمائی، پتھر، صفیں کس بیکینی
سے کھلی جا رہی ہیں اور پرہیزگاری کا نام و نشان جھوٹی سی مٹ گیا ہے۔ یہ نگاہ آپ کے لئے بہت دردناک تھا
آپ کو جن کے خدا کی مخلوق سے دلی افسانہا اگلنے ایسے نظام سے جو اخلاق تمدن اور معاشرت کے حق میں نہ ہو
آپ کو سخت صدمہ پہنچاتے تھے غرض جب آپ انسان کی ارذل ترین حالت کا یہ نقشہ دیکھ کے واپس پہرے اور
حضرت خدیجہ الکبریٰ کے ساتھ ان ہی کی خواہش کے بموجب آپ کا نکاح ہو گیا تو آپ نے عزت گزینی اختیار کی اور یہ
حالت گزینی اگر ظاہر ہی تھی سے بجا ہے تو یہی کہ آپ خلق اللہ کی نکت اور مصیبت کو کوہلے کے لئے ٹھکرانے
لگے اور آپ نے وہ صدمہ میں سوچیں جو آئندہ مخلوق کی سرسری کے لئے نیک فال ہوں اور بنی نفع انسان
کی ان سے پوری اصلاح متصور ہوا اور اس عزت گزینی کے راز و رادہ منہی لئے جائیں تو اس سے یہ غرض
نشی کہ آپ اپنی لوح قلب کو ان بانی فنوش کے لئے مصفا کر رہے تھے جو خدا کے کائنات کی طرف کج اندیش
کے ذمہ سے اس پر ہونے والے تھے اور ایسے گری جان کے لئے آپ اپنا چہرہ قلب آہستہ کر رہے تھے
کسی مضمون پر فکر و غور کرنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ ان کی کیا کیفیت ہوتی ہو اور ان کے حواس خمسہ کی حالت میں
ہو جاتے ہیں نہ انہیں کسی کا خیال رہتا ہے اور نہ فکر و تدبیر وہ سوائے اس دعا کے جو ان کے پیش نظر ہے کسی
دوسری شے کا تصور نہیں میں لاسکتے ہیں بہر تن ایک شے کی طرف مصروفیت ہو جاتی ہے اور یہ مصروفیت یہی
ہوتی ہے کہ اسے ان ہی کا دل جانتا ہے جنہوں نے غایب توجہ سے کسی مضمون کا کبھی خیال کیا ہو۔ انسان

طبیعت کا یہ خاصہ کہتا گیا ہے کہ جب وہ اپنی توجہ چاروں طرف سے عیسے کے کسی خاص طرف مہلینا ہے اور اس میں ایک زمانہ گزر جاتا ہے پھر اس کی طبیعت دوسری عادی ہو جاتی ہے کہ دوسری طرف اس کا خیال پھین رہتا اور وہ عام عادی کا ہو سکے پہلنا ہے اور اپنے اس اندھا کے چہرے کو اکر کے لئے ہر ممکن ذریعہ سے کام لیتا ہے اور جہاں تک اس سے خود ممکن ہوتا ہے اور جس حد تک اس کی تائید ایک پوشیدہ قوت کی طرف ہو جاتی ہے وہ اپنی کوششوں کی کامیابی کی حد میں ٹھہرتا ہے اور جب تک اسے تکمیل نہیں پہنچا لیتا آئے ایک حد تک صبر نہیں آتا۔ اور اخیر یہ مدعا اس کا جزو و مکمل کی ہو جاتا ہے اور اسے دوسرے خیال کی طرف جانے کی ضرورت نہیں ہوتی اور اگر وہ چاہے ہی تو دوسری طرف اپنی طبیعت رجوع نہیں کر سکتا۔

ہر شخص اس رجحان قلبی کا خود اپنی ذات پر تجزیہ کر کے دیکھ سکتا ہے اگر ابتدا سے ایک شخص اپنے کو خاصہ صمیم و تندست ہونے پر دیوانہ بنے میں ڈال دے اور مجنونانہ حرکتیں کرنے لگے تو ابتدا یہ حرکتیں اور اسی ہونگی لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا جائے گا ان میں خطرات انسانی کی آمیزش ہو جائے گی اور اخیر ہوتے ہوئے ہر انسان کی فطرت پہنچے گی کہ وہ مجنونانہ حرکتیں چھوٹی ہو جائیں گی اور پھر وہ اپنی پوری قوت سے سہی ان کا دھبہ نہ کر سکے گا۔ یہ ایسی بدیہی باتیں ہیں جن کے لئے کسی قسم کے استدلال کی ضرورت نہیں ہے بیشعہ روز مشاہدہ میں آتی ہیں اور جنہوں نے انسانی طبیعت کے آثار پر باوجود پھر فرمایا ہے وہ اسے بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ ممکن نہیں کہ کوئی عاقل یا بالغ شخص ایسے صریح مشاہدوں اور بدیہات سے انکار کر سکے یہ طبیعت کی قوت کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے مگر جن میں

انفاس نے اپنے قلب کو ربانی فوہوض اور فطرت کے رازوں کی طرف رجوع کیا ہو اور بہترین خلقی السد کی بہتری کے لئے متوجہ ہو گئے ہوں وہ قیامت تک اپنی طبیعت کو اگر ارادہ ہی کریں انسانی ارذل ترین حالت کی طرف رجوع نہیں کر سکتے۔ اب خیال کرنے اور انصاف سے فکر کرنے کی بات ہے کہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ

علیہ وسلم ۲۵ برس کی عمر سے کہ اس وقت تمام جہانی قوتیں بہت ہی اہلکار پہنچتی ہیں ایک غایتی سطح حوالہ گزرن ہوئے کہ کسی کو یہ خبر ہوئی کہ آپ دلاں کیا کر رہے ہیں اور کمال ۱۵ سال آپ نے تکیوں گزرا دیے تو ہر کمال ہو سکتا ہے کہ ایک کام کے فکر میں چند سال گزر گئے ہوں پھر دوسری طرف طبیعت کا بھان کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔

آپ صبیحوں شب کو نہیں سوئے ہیں اور وہی قائل ہونے سے پہلے کسی نے ہی آپ کے ان چند سال کے حالات سے شہرہ برابری علم نہیں حاصل کیا۔ آپ اس غایتی سطح کے ضرور فطرت کی کتاب کا مطالعہ فرماتے ہوں گے اور آپ اپنی روحانی قوت کو ایسا قوی بناتے ہوں گے کہ تمام دنیا کی تسلیت آپ کے ارادوں میں خامی نہ پیدا کر سکے آپ

استدار ہی سے خوش فہم یہ ہوا ہوتے تھے اور چونکہ روح القدس کو اس ہی سے آپ کی ہر نفس ہی تھی اسلئے آپ کو اپنے عالی درجہ کی انجام دہی میں جن مصائب کا پیش آنا ضرور تھا پہلے ہی سامنے آ گیا ہو گا اور آپ بخوبی جانتے ہوں گے کہ مذکورہ رنگ کو بدل دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ دنیا میں عام مقولہ یہ چلا آتا ہے کہ زمانہ

باقیہ سازد تو بماند باز لیکن یہاں باطل اس کے خلاف کرنا تھا اور لاکھوں گروہوں آدمیوں کے دلوں کو

شمسی میں لیتا تھا۔ ان زبردست خداہے مقابلہ کرنا نہ جان کی قوی لطیفیں ہی موجود نہیں اور اپنے ہی چھوٹوں کی آتشیں طبیعت کا بھی پورا لحاظ نہ اپنی بے سرو سامانی کا بھی خیال نہ تھا اور اپنی بے بسی کا افسردہ نظارہ نگاہوں کے آگے گردش کر رہا تھا۔ یہ سارے ایسے زبردست خیالات تھے جو بچے دوسرے طبیعت میں آ رہے تھے اور کمال پندرہ سال تک ان ہی کی ادھیر میں ہی گزر گئی تھی۔

اس کھٹکس نے انھیں ملاویس سال اطمینان کا رنگ بدلا اور طبیعت نے خاص ایک صورت اختیار کر لی اور فیصلہ کر دیا کہ بہت سے سخت مخالفت کے برداشت کو لئے کے لئے باطل آباد ہوں ہم اللہ کو اور مقدمہ تھا۔ گو با پندرہ سال کے بعد طبیعت نے جو آخری زبردست رنگ اختیار کر لیا وہ یہ تھا کہ تو عالم کی محنت بنا کے بیجا کیا ہی اور تو ہی دنیا کو موجود کر دلا سے بچات دے گا اور تو ہی تو محض خدا کی نادی کر کے کہ رسول انھوں کو موحیاً گا تو اس قابل ہے کہ خدا کا پیغام تیرے پاس آئے اور روح القدس تجھے باتیں کرے۔ جو بچہ تمام خیالات مضبوط ہو گئے اور طبیعت نے فیصلہ کر لیا تو فرما اس کا ظہور ہوا اور روح القدس مجسم بن کے اس معصوم بچے کے سامنے آگئی اور اس نے فطرت کی پوری کتاب اس کے آگے کھول کے کہا کہ پڑھ یعنی اس پر عمل کر۔ اور دیکھ کہ مجھے انسان کو ایک گوشے نگاہ سے بنایا ہے لکھ نہیں کی کچھ نہیں ہے لیکن ہم محض اپنے فضل سے اس کو برکت دے رہے ہیں اور ہم ہی نے اسے ظلم کا استعمال سکھایا ہے اور وہ اس پر ہی ناسپاس بننا اور کشری کرتا ہے اس ارشاد میں بہت برا ظہور کا اور ضمیر ہے اور اسے ظاہری انگلیں نہیں دیکھ سکتیں جب تک روح القدس کی تائید نہ ہو اس کے معنی یہ ہیں جو ہم بیان کر رہے ہیں اور جہاں تک ہم نے تفسیر پر دیکھی ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ مکمل معسر اس حالت میں پہنچے ہیں۔ حضور انور نے جب تمام دنیا کی اصلاح کا ارادہ کیا ہو گا اور پھر اپنی بے بسی کا بحیثیت انسان ہونے کے خیال فرمایا ہو گا تو ضرور اپنی بے بضاعتی اور کمزوری کو پیش نظر رکھے کہ اسے عظیم فرض کی کمال طور پر انجام دہی سے دل چکایا ہو گا کہ مجھ جیسے ناچیز بند سے یہ کیوں کر ہو سکے گا ایسا خیال بقطعات قانون قدرت اپنے دل پر ضرور ناچا ہے نہ تھا اور یہ خیال آیا اور خدا نے کائنات نے روح القدس کے ذریعے سے باتیں کیں اور سمجھایا کہ فطرت کی کتاب کو جو ہم نے تیری آنکھوں کے آگے کھول دی ہے پڑھا اور دیکھ کہ اگرچہ ہم نے انسان کو ایک گوشے نگاہ سے پیدا کیا ہے لیکن ہم ہی نے اسے برکت دی ہے اور ہم ہی نے اسے ظلم سے سکھایا ہے چوں کہ یہ ساری باتیں جہاں سے ہی دست قدرت میں ہیں کہ اپنی ناچیز فطرت کو اگرچہ ہم تو انسان ہو چکے تو مایوس نہ ہو اور خدا سے نام سے اس فطرت کی کتاب کو پڑھ یعنی جو تو کام کرنا چاہتا ہے ہمارا نام لے کے کر پھر انسانی فطرت کی وہ کمزوری جو بحیثیت گوشت کے ٹکڑے ہونے کے اس میں دو دیت ہوئی جو تیرے ہم خالقین کی انجام دہی میں ممانع نہیں آتے گی اور تو انہی مرادوں میں کامیاب ہو جائے گا۔ اپنے رب کا نام لے کے پڑھ۔ اس کے پر معنی ہیں کہ تو اپنے رب پر نظر رکھ وہ تجھے ہر کام میں مدد دے گا اور اس کی تائید جبری مثال حال رہے گی۔ جب قدرت کی طرف سے یہ فرمان آگیا اور طبیعت نے قبول کر لیا تو وہ جبکہ جو پہلے

بحیثیت کمزور انسان ہونے کے دل میں آئی تھی بالکل جاتی رہی اور حضور انورؐ نے اپنے خالق کا ماتھ اپنے ساتھ کام کرتا ہوا ملاحظہ فرما کے زمانہ کے مقابل میں بہت آزادی، جرات اور دلالت العری سے توجہ کا وعظ فرمانا شروع کیا۔ اس لکھنے سے اور فطرت انسانی کے آثار پر عطا و کمانے سے ہماری یہ عرض ہے کہ جس پاک نفس کا جزو زندگی خلق اللہ کی تعلیم اور اصلاح بن گیا ہو جس نے ہمہ تن خلق اللہ کی ہستی کے لئے اپنے کو مصروف کر دیا ہو جس نے ہندو سال مجاہدوں اور مراقبوں کے بعد اپنے کو ایک نئی زندگی میں پایا ہو جس کے حوش کی انتہا ہو گئی ہو یعنی سختے سخت مخالفتوں کے بعد بھی وہ اپنے کام سے باز نہ آیا ہو اس کی نسبت کیوں کر بلا مہم صحیح ہو سکتا ہے کہ اس نے پچاس سال کی عمر تک تو ایک حالت میں گزار لی اور پھر اپنی طبیعت کو بدل دیا اور لذائذ نفسانیہ کی طرف (معادلتہ) اس نے اپنا خیال رجوع کیا۔ یہ تو طبع انسانی کے بھی خلاف ہے اور عاقل اطباء اس کی یہی تصدیق کریں گے کہ انسانی فطرت سے ایسا امر کرنا بہت مستبعد ہے جب تک حضرت بی بی خدیجہ الکبریٰ زندہ رہیں آپ نے کوئی دوسرا کھل نہیں کیا اور نہ ہی بھیت کسی دوسرے کھل کر کے کی ضرورت ہی داعی نہیں ہوتی تھی۔ اگر آپ کو ضرورت ہوتی اور آپ کوئی دوسرا کھل کر کے تو قوی تمدن کے بموجب آپ پر کوئی نکتہ چینی نہیں کر سکتا تھا۔ نہ حضرت بی بی خدیجہ الکبریٰ معرض ہوں۔ کیوں کہ اس ملک کی ہی رسم تھی کہ کسی کئی شایا کرتے تھے اور بی بیان بغیر کسی حد اور دشمنی کے ساتھ ساتھ ملے رہتیں اور باہم کسی قسم کی کوئی بات مخالفت کی نہ ہوتی تھی۔ ہم اپنے خیال میں چاہے یہ سچ ہو جائے کیسی چند عوریں جو ایک ہی شخص کی بی بیاں ہوں بھی باتفاق خبر رہ سکتیں لیکن یہ ہمارا خیال ہی خیال ہے واقعات سے اسے کوئی سروکار نہیں ہے جس امر کی طبیعت اول روز سے عادی ہو جاتی ہے وہ خواہ مخواہ تمدن ہی معلوم ہوتا ہے اگرچہ غیر لوگ اس پر کچھ ہی نکتہ چینی کریں نہ کریں۔ ڈاکٹر مسعود لیبان نے اپنی کتاب تمدن عرب میں اپنے پنجم دہ حالات عربوں اور ان کی عیبوں کے صبح کئے ہیں اور وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ میں نے ایک عرب کی کئی بی بیوں دیکھیں جو باہم سکی بہنوں سے زیادہ محبت رکھتی تھیں اور ایک دوسری بچاں فدا کرتی تھیں وہ کہتا ہے کہ میں نے کوئی مثال عرب میں ایسی عیبوں کی نہیں دیکھی جو باہم دشمن ہوں یا ایک دوسری سے حسد کرتی ہوں ساتھ ہی وہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ جب عورت دو تین بچے ہونے سے کمزور ہو جاتی ہے اور گھر بار کا کام اس سے نہیں سہل سکتا تو وہ خود اپنے خاندان سے درخواست کر کے دوسرا کھل کراتی ہے اور بعض اوقات تو یہ دیکھا گیا ہے کہ اپنے خاوند کے دوسرے کھل کی سربراہی وہ بہت شوق سے خود کرتی ہے۔ مسعود لیبان کی اس تحریر سے عرب عورتوں کی فطرت اور معاشرہ خیالات اور عموماً کا پورا علم ہوتا ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ کن کی فطرت ابتدا ہی سے اس امر کی عادی چلی آئی ہے کہ وہ کئی کئی مل کے ایک شخص کی بی بیوں نہیں اور غوش ہوں۔ بہین طبع اور حضور انورؐ خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بی بی خدیجہ الکبریٰ کی حیات ہی میں دوسرا کھل کر لیتے تو ناصحان فرموشی ہوتی اور نہ خدیجہ الکبریٰ زبانتیں مگر نہیں آپ اپنے جس عظیم فرض کی انجام دہی فرما رہے تھے اس میں دنیا کی باتوں کا خیال آنا ایک مستبعد

اس رضا اور عظمت ہرگز ایسے فعل کو جائز نہیں کر سکتی تھی۔ یہ محض ہمتیں اور الزام ہیں کہ آپ نے اپنی بی بی سے حمد و بیان کر لیا تھا اور چونکہ اپنی بی بی کی وجہ سے آپ غایب البال ہو گئے تھے اور آپ کو گونا گونا گوتہ حاصل ہو گئی تھی اسلئے آپ دو سر پہنچ کر رہے ہوئے نہ کہتے تھے۔ ان میں سے ایک بات بھی مذہبی، ابتداء سے ایسے معاملات کی طرف توجہ کرنے کا خیال ہی آپ کو نہ تھا اور اصل یہ جو کہ آپ ایسے خیال کرنے کے علوی ہی نہ تھے۔

حضرت بی بی خدیجہ الکبریٰ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بی بی خدیجہ الکبریٰ اور حضور انور کے پہنچنے کی اور ذرا تفصیل کے ساتھ کیفیت بیان کی جائے تاکہ اصل واقعہ سمجھ میں آجائے کیوں کہ میں نے یہ الزام کیا ہے کہ سر آدم المومنین کا مختصر سائیکل کروں اور باتوں کو پہنچ کی اہمیت کیا تھی اور کیوں کہ آپ نے پہنچ کیا حضرت خدیجہ الکبریٰ کو ملکہ کی صاحبزادی تھیں۔ اور قریشی خولہ میں اپنی دولت ثروت، جمال اور علم و فضل میں بڑی نامور نہیں۔ یہ اگر تجارت کیا کرتی تھیں اور اسی تجارت کی وجہ سے آپ کو قریشی ہی ہوئی تھی۔ دستور یہ تھا کہ عربوں کو مال دے کے مختلف بلاد میں بھیجا کرتی تھیں اور ان سے نصف پر معاملہ شیر چاڑھا تاکہ جو کچھ نفع ہو نصف فروخت کرنے والے کا اور نصف بی بی خدیجہ کا۔ اتفاق سے حضرت ابوطالب کی تجارت میں ٹوٹا آیا اور کثیر الاولاد سی کی وجہ سے اپنے کنبہ کی پرورش کے تحمل نہ ہو سکے اسلئے حضور انور سے بلا کے کہا کہ سیری تو بیکفایت ہے جو تم دیکھ رہے ہو میں تمہیں صلح دیتا ہوں کہ تم بی بی خدیجہ کے پاس جاؤ اور ان سے مال کی درخواست کرو وہ تمہاری دیانت۔ رہستانی اور ہوشیاری سے اظہار نہیں مال دیدیں گی تم اسی قاعدہ شرکت مضاربہ پر مال لے لینا اور نصف نفع بی بی موصوف کو دیدینا اور نصف تمہارے ہاتھ لگ جائے گا۔ اس صورت سے کچھ طلاع ہو جائیگی۔ اور مجھ پر سے بھی کنبہ کا بار ہلکا ہو گا۔ حضور انور نے جواب دیا کہ میں ہشقدی نہیں کرنا چاہتا نہ جا کے درخواست کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ حضرت ابوطالب نے کہا اگر تم اس میں کچھ قلیل و قال کرو گے اور نساہل کرو گے تو اور لوگ لے آویں گے آپ سوائے خاموشی کے اور کچھ جواب نہ دیا اتفاق سے یہ خبر بی بی خدیجہ کو پہنچ گئی بی بی موصوف نے انہوں کو خاص خادم کو آپ کی خدمت میں بھیجا اور کہلا بھیجا جس نے سنا ہے تجھے تجارت کی رغبت ہے اگر تو رضی ہو اور میرا مال تجارت لے جائے تو میں تجھے دوسروں سے دگنی حصہ دوں گی کیوں کہ تیری رہستانی اور دیانت داری کی میں نے بہت شہرت سنی ہے۔ یہ سن کے حضور انور نے اپنے چچا ابوطالب سے بی بی خدیجہ کے پیغام کی کیفیت بیان کی۔ ابوطالب نے بھی خوش ہو گئے اور یہاں تک کہ انھوں نے اللہ سائیکل سے یہ ذوق ہے جو خدا نے تعالیٰ نے تجھے مرحمت فرمایا ہے آخر حضرت ابوطالب کی مرضی کے مطابق آپ نے اپنی رضامندی بی بی خدیجہ سے کہلا بھیجی اور سفر کا جہت کیا۔ بی بی خدیجہ نے اپنے غلام میر کو آپ کی خدمت میں دیا یا بعض دوسری روایت کے بموجب اپنے ایک رشتہ دار حضرت زین

حکیم کو آپ کے ساتھ کیا اور آپ مال تجارت لے کے حدود مصر کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ ایک کامدان کے ہمراہ بطور باقاعدہ اس کے صوبہ کے پاس فروکش ہوئے بہت سی روایتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں سے آپ نے کیوں گرفتار ہو کر اہرتوں سے کس قدر اپنی حالت ظاہر فرمائی مگر ان روایتوں کا یہاں بیان کرنا ضروری نہیں جو صرف اسی قدر لکھا جاتا ہے کہ آپ نے بڑی ہندی سے بی بی خدیجہ کے مال کو فروخت کیا اور کثیر نفع حاصل کر کے آپ واپس مکہ تشریف لائے اور کوڑی کوڑی کا حساب بھرا دیا۔ بی بی خدیجہ حضور انورؐ کی یہ ہوشیاری اور دیانت داری دیکھ کے دھمک رہ گئیں اور آپ کی اس سنجیدگی کا یہاں اور ساتھ ہی عجیب غریب رہنمائی کا اثر آپ کے دل پر بہت ہوا۔ ادھر اپنے غلام بارشہ دار سے آپ کی نیکی منی محنت اور خوشنمیری کا حال سنے بخود دہکتیں اور انہیں یقین ہو گیا کہ اگر کوئی دیانت دار سرپرست ملے گا تو آپ سے بہتر ملنا ممکن نہیں۔ بڑے بڑے عرب برہمن بی بی خدیجہ سے نکاح کرنے کے خواہشمند تھے مگر آپ اپنی شوہر میں کسی کو منظور نہ کرتی تھیں۔ اخیر آپ نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ اگر نکاح کروں گی تو تمہاری سے کروں گی۔ اس مستقل ارادہ کے بعد آپ نے اپنی ایک راز دار خاتون سے جو کانا نام غصیہ تھا اپنا دلی مشا ظا ہر کیا غصیہ جس قدر خوبصورت تھی اسی قدر عقل مند بھی تھی اس نے بی بی خدیجہ کے اس انتخاب کو پسند کیا اور کہا کہ میں مجھ کے پاس جا کے اس کا دل لیتی ہوں اور اس کی مرضی تلاش کرتی ہوں چنانچہ وہ عورت خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور معقول تنہد کے بعد اس نے یہ ساری کیفیت بیان کی اور بی بی خدیجہ کی خواہش کا اظہار کیا آپ اپنی مرضی ہو گئے۔ اس نے بی بی خدیجہ کو یہ خوشخبری سنادی کہ مجھ سے نکاح کرنے پر رضی ہیں۔ بی بی خدیجہ یہ سن کے بہت خوش ہوئیں اور ایک دن مقرر کر کے حضور انورؐ کو ایک مکان میں بلایا آپ کے ساتھ حضرت ابو طالب اور چند اور لوگ تھے اور بی بی خدیجہ کی طرف سے ان کے چچا عمرو بن اسد اور ایک رشتہ دار ورقہ بن نوفل اس مکان میں آئے حضرت ابو طالب نے پہلے خطبہ پڑھا جس کا مضمون یہ تھا تمہارا شکر ہے کہ میں امیر ایم اہل مکہ کا فرزند بنایا اور میں اپنے گھر اور حرم کا محافظ کیا اور اس گھر کو جو مطاف اور طوق اسد کا قبلہ ہے میں سوچ پیا۔

ابا بعد میرا بیٹا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب جو ایسا فوجان صالح ہو کہ کوئی قریش نوجوان اسے نہیں پہچا اگرچہ اس کے پاس مال کم ہے مگر اس کا خیال نہ کرنا چاہئے کیوں کہ مال شرافت کے آگے کوئی چیز نہیں ہے اور وہ اشرف بزرگان قریش میں سے ہے اور محمدؐ کون ہے جس کا رشتہ میرے ساتھ ہے اور اب وہ خدیجہ کی شوہر ہیں بی بی خدیجہ کو یہ خبر سہرے بلک سے کرنا ہے اور اس سے نہ معزل اور معجل دونوں کی تصدیق ہوتی ہے کرتا ہے خدا کی قسم محمدؐ کو ایک امیر عظیم اور بزرگ مرتبہ در پیش ہے یہ کیلئے حضرت ابو طالب خاموش ہوئے اور ہر وقت سے اپنا خطبہ شروع کیا اور خدا کی حمد و ثناء میں کے بعد وہ یہ کہنے لگا کہ اب میں خدیجہ کو چار سو شغال طلائی کے مہر محمدؐ کی زوجیت میں دیتا ہوں حضرت ابو طالب نے کہا میں چاہتا ہوں کہ خدیجہ کا چچا عمرو بن اسد بھی میرے ساتھ خطبہ میں شریک ہو جائے چنانچہ ورقہ نے عمرو بن اسد کو اپنے ساتھ شریک کر لیا اور اس

صوت سے گویا آپ کا نکل ہو گیا اب یہاں کسی قدر روایتوں میں اختلاف ہے حضرت ابو طالب کے خطیبے تو بیتِ مایہ شرفِ ثنائے جانے میں اور در قدابن نوفل کے خطبے سے چار سو مثالِ طلانی کا ثبوت ہوتا ہے بہر حال کچھ یہودی کے مین بن عمر بن عبد بن بنی خدیجہ کے والد زندہ نہ تھے اس لیے چچائے نکل کا خطبہ نہ چھا۔

یہ ہیں مختصر حالات حضورِ موزر کے پہلے نکل کے جب نکل ہوا ہے تو آپ کی عمر ۷۰ سال کی تھی اور شرفِ نبیٰ خدیجہ کی ۶۵ سال کی۔ اس نکل کی فطرت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نکل کی بابت اشارہ بھی نہ کیا تھا مگر جب آدمہ سے دفعہ ہست ہوئی تو آپ نے منظور کر لیا اور اس منظور کرنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو ایک بیٹے فرض کی انجام دہی کرنی تھی اور وہ بغیر فراغِ مالی اور معاش سے بے نیاز ہونے پر راضی ہو سکتا تھا۔ چنانچہ آپ نے نکل کر لیا اور اب آپ کو گھنٹوں بلکہ مہینوں گزر گئے صرف اُس کام کی انجام دہی کے فکر میں جھکے پورے کر کے لئے آپ مبعوث ہوئے تھے اور آپ کو خاص جس غرض سے عالم کی رحمت نیا کے بھیجا گیا تھا۔ اس نکل کی اصل فائز زیادہ غور کرنے سے معلوم ہوتی ہے یعنی آپ نے نکل تو کر لیا مگر کیوں کیا اور اس کی غایت کیا تھی اسلئے کیا کہ جو کام آپ کرنا چاہتے تھے وہ اطمینان سے ہو گا اور جو کہ اس وقت کوئی بہتر ذریعہ اطمینان طلب کے ساتھ ضائع کائنات کے آگے گھنٹوں بلکہ دنوں سرسبز ہوئے گا نہیں مل سکتا تھا اسلئے آپ اس نکل پر رضی ہوئے دیکھ لو اس نکل میں ہی وہی زمین لگی رہی اور کسی دوسری طرف مطلق خیال نہیں کیا کیوں کہ نکل ہوئے ہی آپ نے عزت گزینی اختیار کی ادا کال ہندہ سال اسی تنہائی میں گزار دیئے۔ اسے سرور کائنات یہ جی رہی بزرگی ہے کہ تو ظاہر تمام دنیاوی امور میں ہمیشہ انسان ہونے کے مشغول دکھائی دیتا ہو مگر ہر جگہ الگ ہے اور تو اپنے مبعوث ہونے کی غایت دنیاوی اسباب کے ذریعہ سے پوری کرنا ہے عالم کی رحمت ہونا بھی کو شایاں ہے۔

اے گمراہ تاجِ فرسا دکان + تاجِ وہ گوہر آزادگان

نہر شمایں نامہ بہ عنوانِ توبہ ختم شمایں خطبہ بد ومان تو

آپ کے ساتھ فائز میں کبھی کسی حضرتِ نبی خدیجہ ہی جا کے بیٹھا کرتیں اور خدا اے واحد کی عبادت کیا کرتیں۔ آپ نے ناوجودانِ عظیم مشاغل کے اپنی نبی کی کے ساتھ حس الفت اور محبت کا برتاؤ کیا وہ مشہور نمائندہ ہے۔ روحانی فضائل کی تکمیل کے ساتھ آپ دنیاوی فریض کی تکمیل کر کے جانے تھے آپ کی چند اولادیں ان نبی سے ہوئیں اور ان کے نام یہ ہیں زینب، رقیہ، ام کلثوم، اور فاطمہ زہرا و بقیہ کے بھی ہوئے لیکن ان سب سے صغیر نبی ہیں وفات پائی۔

پیر

حضرت سواضی السدھما

آپ کے والد کا نام زمعہ اور ماں کا نام ثمنوس بنت قیس تھا آپ کا پہلا نکاح سکدان بن عمر سے ہوا تھا اور اس سے ایک لڑکا عبد الرحمن پیدا ہوا حضرت سودا اور اوسان کا لڑکا عبدالرحمن دونوں مسلمان ہو گئے تھے۔ آپ کی شخصیت یہ ہے کہ جب آپ اصراب کا خاوند ہوا آپ کا بیٹا مسلمان ہو گیا تو شریکین حوہ نے آپ پر زیادتیاں کرنی اور آپ کو ستانا شروع کیا اور اخیر میں ایک نوبت پہنچی کہ آپ حبش چلی گئیں۔ آپ کا خاوند صرف اس جرم میں کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا قتل کر دیا گیا تھا جب بی بی سودا حبش سے واپس آئیں تو ان کی حالت بہت ہی خراب تھی ان پر بڑے بڑے مظالم ہو چکے تھے اور اب انہیں کوئی پناہ دینے والا ہی نہ رہا تھا۔ روایتوں سے اگرچہ اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ آپ کی عمر کتنی تھی لیکن اندازہ در شیک اندازہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ عمر میں آنحضرت سے بڑی تھیں حضور انور کی عمر جب بی بی سودا سے نکاح کیا گیا پوری پچاس برس کی تھی اور بعد از وفات سرور کائنات سترہ مہری میں بی بی سودا کی وفات ہوئی اور وہاں کے وقت آپ کی عمر دسے ہی تجاوز کر چکی تھی۔

آپ کی نسبت بہت سی مختلف روایتیں شہو ہیں اور بعض غلط روایتوں کی وجہ سے عام طور پر بہت کچھ دھوکا ہوا ہے مگر ہم اسے باطل رو نہیں لانا چاہتے ہیں اور انشاء اللہ ہم اس نکاح پر ایک بسیط بحث کریں گے۔ اول تو یہ دیکھنا ضرور ہے کہ حضرت بی بی سودا سے نکاح کرنے کی آنحضرت کو ضرورت ہی کیا تھی جب آپ قریش کی اسطے وجہ کی لڑکیوں سے بلا تکلف نکاح کر سکتے تھے پچاس سال کی آپ کی عمر چکی تھی اور بی بی سودا کی بھی اتنی عمر تھی یا آپ سے دو ایک برس کچھ بڑی تھیں۔ اگر معاذ اللہ یہ نکاح لہذا نفسانیہ کے لئے ہوا تھا تو ایسا خیال کرنا محض بے بنیاد ہے اور نہ واقف ہے۔ نہ آپ نے دولت دیکھ کر یہ نکاح کیا مانا کیوں کہ بی بی سودا آپ فلس اور تم سیدہ تھیں۔ نکاح کرنے کی کوئی نہ کوئی غایت ضرور ہوگی۔ اور کوشش کرنے سے اس کا پتہ لگایا جاسکتا۔

حضور انور کا ابتدا سے یہ قاعدہ تھا کہ آپ دوسروں کا کام خود کر دیتے تھے مگر آپ کو کسی کا احسان لینا گوارا نہ تھا حضرت انس کی روایت ہم اوپر نقل کر رہے ہیں کہ دس برس میں میں نے رسول مقبول کی ترقی نہ نہیں کی جتنی آپ نے میری کی آپ کی عادت میں داخل تھا کہ ہر شخص کے کام میں لگ جانا اور غرابا ہلکے کی تھے الا مکان سر پرستی کرنا آپ نے اپنی اس رحیم حضرت سے بی بی سودا پر نظر کی اور خیال فرمایا کہ اس نے عورت ہو کے صرف میرے لئے کتنی کتنی سختیاں سہیں۔ مگر سے بے گھر ہوئی جائدا و منقولہ اور غیر منقولہ کچھ اور جتنی تھی صرف میری وجہ سے برباد ہوئی اس کا خاوند صرف قبل اسلام کی وجہ سے بہت ہی بے مددی سے فرج کر ڈالا لیا اور اب یہ محض بے سروسامان اور پریشان ہو کے میرے پاس آئی ہے ایسی حالت

میں بھی ہیں اسے اپنا ہاتھ ندوں تو بنوت کے عالی منشا کے خلاف سے، یہ خیال ہونا حضور انور کے مبارک دل میں پیدا ہوا تھا اور اسی وجہ سے آپ نے صرف اس لئے کہ سودا کے تمام نقصانات اور تکالیف کا اچھا معاوضہ ہو جائے گا جو شہی نکاح کر لیا۔ اور خاتم النبیین جیسے عظیم قسم کے لئے ایسے نکاح کی ضرورت بھی تھی۔ آپ کا بحیثیت نبی اور وہ بھی جلیل القدر نبی ہونے کے فرض تھا کہ آپ ایسی بے بس، ناچار اور مصیبت زدہ خاتون کی سرپرستی فرمائیں جس نے محض خلوص سے اپنی گزشتہ بد اعمالیوں اور بت پرستی سے تائب ہو کر اپنے خدا اختیار کیا اور حضور انور کے دست مبارک پر بیعت کی اور ہر محض ہلام کے لئے اس کے تکلیفیں اٹھائیں۔ جلا وطن ہوئی اور عورت ہو کر کے ہلام سے اس کا قدم نہیں ڈنگایا۔ عاقبت میں تو جو کچھ اس کا معاوضہ ملتا وہ تو ملتا ہی لیکن زندگی میں بھی ایسی شعلے اور نیک ل خاتون کو ضرور صلہ ملنا چاہئے تھا اور وہ صلہ ایسا ہونا کہ اس سے قیمتی صلہ دنیا میں اور ممکن نہ تھا یعنی وہ خاتم النبیین کی بی بی بنتی اور ام المؤمنین کا سر زلف پانی۔ اس سے بہتر کوئی صلہ نہیں دے سکتے تھے کیوں کہ جو کچھ بے نظیر مردان کی اسلام پر قایم رہنے کی اس خاتون نے دکھائی تھی وہ عجیب و غریب بھی ہے اور اسی مرتبہ کے صلہ کی تسخیر بناتی ہے جو حضور انور کی طرف سے ملے تھا ہوا۔

اگر حضور انور اپنی زوجیت میں بی بی سودا کو قبول نہ فرماتے تو تو ان کی عمر اور بے سودا مانی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ کوئی ہاتھ نہیں رکھتا اسلئے اول تو وہ پریشانی کا زمانہ تھا کہ کون قیوش کے بچے و بچے چلے ہو رہے تھے اور مسلمان برابر بناتے جا رہے تھے۔ ابھی مسلمانوں کو کچھ قوت اور اطمینان بھی حاصل نہ ہوا تھا اور نہ کوئی مستقل جائے قیام کسی مسلمان کی ہوئی تھی یہ وقت مسلمانوں کی سخت آزمائش کا تھا اور اسی وجہ خود نبی کریم کو بھی نکاح کرنے کا خیال نہ تھا اور نہ ابھی تک کوئی فطری ضرورت داعی ہوئی تھی مگر اس حالت میں بھی اور اس کی سنجیدہ زمانہ میں بھی آپ بحیثیت نبی ہونے کے اپنا فرض سمجھا کہ سودا جیسی مخرج القلب، لبس اور ثبات قدم خاتون کو اپنی زوجیت میں لیں تاکہ اس کی پورے طور پر سرپرستی ہو اور مسلمانوں میں ایسی سچاہ مسودات کی سعادت کرنے کی ایک زبردست نظیر قایم ہو جائے۔ آپ نے بی بی سودا سے نکاح کر کے فخر نکاح کی ایک غات بنادی اور ظاہر فرمادیا کہ نکاح کی اصلی غرض مسودات کی سرپرستی ہے۔ اور سب سے بڑی بات جو اس نکاح سے پیدا ہوئی کہ وہ یہ ہے کہ اسلام میں عورتوں کی حمایت کرنے کی روح چھک جائے اور وہ مثل دوسری قوموں کی عورتوں کو لاشے محض نہ سمجھیں کہ اچھے بیان کر چکے ہیں کہ عرب میں ہی نہیں بلکہ دنیا کی کل قوموں میں عورت مثل اناٹا البیت کے بھی جاتی تھی اور دنیا کی بڑی بڑی تمدن اقوام نے کبھی عورتوں کی حقوق کی نگہداشت نہیں کی اور نہ ان کی خدمات کا کبھی ان کو صلہ دیا گیا انسانی تمدن میں ان کی کوئی وقعت نہیں رہی اور اب اس سے شہن چاہوں گے بڑا ڈھکیا جا رہا تھا۔ اب وہ تاریک زمانہ گزرا تھا اور عورتوں کی تعظیم اور تکریم ہونے لگی تھی۔ بی بی سودا تو اس زمانہ کی نہیں نہ کچھ ایسی عالی شان تھیں اس پر ہی انہیں مرتبہ

حاصل ہو گیا تاکہ وہ بڑے بڑے قریش سرداروں کی اور غیر میں بڑے بڑے تہار سلاطین کی مان کلمات میں کیا اس سے زیادہ کسی قوم یا کسی مذہب نے عورتوں کو عورت دے دی اور آج تک کسی ملک میں ہی عورتوں کو خود آسمان پر چڑھایا گیا؟ موجودہ قومیں اس سوال کا جواب خواہ کسی صورت سے دیں لیکن مختلف قوموں کی معربی کتابیں اور تواریخ اس کا جواب صاف دیتی ہیں۔

سمجھ میں آگئی ہو گی کہ بی بی سودا سے نکاح کرنے کی کیا غایت اور غرض تھی اور اس سے کس حد تک پورا کیا گیا۔ بی بی سودا کی نسبت بہت سی جوئی روایتیں مشہور ہیں اور وہ ایسی لغو ہیں کہ محل کہی نہیں تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ پہلی روایت تو ایک پر مشہور ہے کہ جب ان کے پہلے خاوند مریم ہوئے تو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ خضو انونے میری گردن پر پھر رکھ دیا آنکھ کھلی تو اپنے مریم خاوند سے یہ خواب بیان کیا اس نے یہ تعبیر دی کہ میرے بعد تو دوسرا نکاح کرے گی یہ خواب اور اس کی تعبیر عجیب غریب ہے۔ عرب میں عام دستور تھا کہ بوجہ عورت فوراً نکاح کر لیتی تھی اور ایک دن ہی خالی نہ رہتی تھی یہ ایک عام رواج تھا اچوں کہ رسم و رواج آگے چل گئے قانون بن جانا ہے اسلئے یہ ایک قانون ہو گیا تھا جسے بعد ازاں اسلام نے اور بھی مضبوط کر دیا۔ بی بی سودا شوہر کا یہ تعبیر دنیا ہی بحث تھا جب کہ اسے اپنے ملکی قانون کی پوری خبر تھی اور ساتھ ہی گردن پر پھر رکھنے کی تعبیر نکاح نانی کی طرح ہی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ مگر واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواب اور اس کی تعبیر اور بی بی سودا کے خاوند کا مریم ہو کے مر جانا ہی غلط ہے جب کہ وہ بالکل صحت کی حالت میں تھیں اسلام کے مقابلہ میں شہید ہوا تھا۔ دوسرا جسکے زیادہ ٹکین اعتراض یہ ہے کہ جب بی بی سودا ضعیف ہو گئیں تو آنحضرت نے انہیں طلاق دینی چاہی وہ یہ خبر سن کے یا یہ خیال کر کے کہ بغیر طلاق دینی چاہتے ہیں سخت پریشان ہوئیں اور انہوں نے ایک دن رسول کریم سے کہا کہ میں اپنی باری بخوشی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیتی ہوں اسے نبی اللہ تم مجھے طلاق نہ دو چنانچہ آنحضرت نے یہ منظور فرمایا اور انہیں طلاق نہ دی بعض روایات میں یہ ہے کہ حضرت بی بی سودا کے دل میں یہ خیال گزرا تھا مبادا آنحضرت بسبب بھینچنے کے مجھے طلاق دیدیں آپ نے اپنے اس خیال کا اظہار آنحضرت کی خلافت میں اس صورت سے کیا تھا۔ یہ ساری باتیں محض لغو اور بے بنیاد ہیں جس نبی نے محض سرگرمی اور مدلی فرما کے آپ کو اس وقت اپنے نالہ نہ دے دی جب آپ جوانی کی عمر کا پہلی تئیں ہر کب سمجھ میں آسکتا ہے کہ چن چن ہی روز کے بعد آپ نے انکبیل میں چل لی ہوں اور ایسی بے بنیاد بی بی کو طلاق دیکھنے کا لئے کارا اودہ کیا ہو جس شخص کی ایسی طبیعت ہو ہرگز اس کی فصاحت کا اثر نہیں ہو سکتا اور ممکن نہیں کہ کبھی کسی کے دل پر اس کی باتیں کوئی نیک خیال پیدا کر سکیں یا اس قسم کی روایتیں اگرچہ بعض کتب اسلامی میں دیکھی گئی ہیں مگر انہیں قرآن کے مقابلہ میں سمجھ کر مٹا دینا ہی بخیرہ کو کے بیحد بہتر ہے اور انصاف کے خلاف ہے۔ اسلامی کتب میں ہزار اس قسم کی روایتیں موجود ہیں کہ اگر ان کا انتخاب کیا جائے اور صرف ان ہی کو پیش کیا جائے تو کبھی ان سے اس اسلام کا مفہوم نہیں ہو

جو قرآن پیش کرتا ہے یا اسلام کی بے نظیر کامیابی جس کی شہادت دیتی ہے۔ ایک عیسائی مصنف انجو کو
میں روضۃ الاحباب کو پیش کرتا ہے دوسرا الواقعی کو تیسرا ابو الفدا کو اور چوتھا طبری کو پانچواں ابن ہشام کو چھ
جمع ہے کہ یہ اسلام کی یاقین میں اور یہی صحیح ہے کہ مسلمانوں کی لکھی ہوئی ہیں لیکن جمہور کا اتفاق ان کے
مصنفین کی مصدقیت پر نہیں ہے اور نہ خدا کی طرف سے انہیں کوئی سند صحت کی ملتی ہے نہ ان کتابوں کو
اسلام سے کچھ تعلق ہے کیونکہ یہ کتابیں اشاعت اسلام کی بعد کی تصنیف کی ہوئی ہیں ان میں تحریف کا
ہونا بھی ممکن ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مصنف سے غلطی ہوئی ہو۔ جب قرآن مجید موجود ہے پھر ہم کسی
کیوں نہ تحقیق کریں اور وجہ کیا کہ ہم اپنا دار و مدار جوئی نہ آیات پر کر لیں اسلام پر کیا مقرر ہے دنیا میں
کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جس میں غلط اور صحیح روایات کا سلسلہ نہ ہو اور کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جس کا کلمہ
آس کے معتقد مصنفوں کی رائے پر ہو۔ سہروردیہ میر نے جہاں اسلام پر اور عنایتیں کی ہیں وہاں آپ یہ
بھی زور دیتے ہیں کہ اللہ واقعی کو جسے کل سلمان مصنف کا ذب کچھکے ہیں صحیح مانا جائے اور وہ بے غرض سے کہتے
ہیں کہ میں نے بہت سی روایتیں اسی سے منتخب کی ہیں بغیر یہ اُن کی ذاتی رائے ہی اور انہیں اختیار کر کے وہ
اپنی رائے خواہ کچھ ہی کیوں نہ رکھیں مگر اسلام میں نہ ان باتوں کی کچھ وقعت ہے اور نہ یہ ذاتی خیالات
مسلمانوں کے لئے کچھ حجت ہو سکتے ہیں۔

ہمیں بی بی سودا کی اس روایت پر ایک نظر کرنی ہے اور دیکھنا یہ سچ کہ یہ روایت کیا ہے اور اس کی حقیقت
کیوں کر ہے مسلمانوں کی صحیح کتابوں میں ہی اس روایت کا ذکر ضرور ہے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس
حضور انور کی ذات پر کیا الزام آتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی باری دینے کا خیال آتا اور اُس کی
دعوت کرنا یہ حضرت بی بی کی تصفیٰ پر ڈال ہو سکتا ہے یہ کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت انور نے
کبھی اس قسم کا اشارہ کیا یا کسی دو مرتبہ شخص سے کہا کہ میں طلاق دینا چاہتا ہوں حضرت بی بی سودا اگرچہ
اسلامی قوانین کی ایک عمدہ نظیر تھیں اور آپ بہت ساری مسلمان نہیں پہنچی آپ میں اُس سوروی خون کا اثر موجود
تھا جو سلا بعد سلا آپ میں چلا آتا تھا اور وہ خون وہی عربی صفت کا خون تھا جس میں بوجہ بیابانوں کو بلا وجہ
چھہ ڈرنا اور گہرے نکال دینا ملا ہوا تھا۔ چون کہ آپ کو ام المؤمنین کا فخر حاصل ہو چکا تھا اور اس فخر کی عزت آپ
محسوس کر چکی تھیں اسلئے آپ کے دل میں بیکار یہ خوف گہرا کہیں بغیر خدا مجھے طلاق نہ دیدیں اور یہ عزت
مجھے حاصل ہوئی ہے نہ جانی رہے۔ اس خوف سے اگر آپ نے رسول خدا کی خدمت میں یہ عرض کر دیا کہ
تو کچھ بعید بیسیج۔ انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ جب اس نے درجہ سے بیکار اسے کوئی عزت حاصل چھوٹی ہے اور
وہ سخت ہریشانی اور بے باکی کے بعد کوئی اطمینان اور وقعت حاصل کر لیتا ہے تو اسے معمولی طور پر خیال
ضرور آتا کہ میں نہیں پہنچی کیفیت نہ ہو جائے اور ایسی صورت میں کہ اس عزت نہ پہنچنے کی اسے یقین
نہیں ہوئی اور اتفاق سے اسے عالی مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے تو وہ دل ہی دل میں سہا کرنا ہی حضرت بی بی سہ

ابتداء میں ایک نصیبت زدہ خالق نہیں ہے۔ آپ نے اسلام قبل کہنے کے بعد ٹی بی ٹی جیٹاں اور پشیمان
 اُٹھائی تھیں اور زن مہیب رسوم کا اثر آپ کے دل اور دماغ میں موجود تھا جو صدائے بر سے آپ کی قوم میں جا کی تھیں
 اور چون کہ آپ ضعیف بہت ہو گئے تھے اور اس غیبی کا اثر آپ کے خیالات پر بخوبی پڑنے لگا تھا آپ نے کیا کیا ایک مقصود
 کیا اور آپ کو ایک خوف سا محسوس ہوا اور آپ نے اپنا ولی اظہار حضور انور کی خدمت میں کر دیا۔ اب سمجھنے کی بات ہے
 کہ کسی صحیح روایت سے نہیں معلوم ہوتا کہ آپ نے بی بی سودہ کی باتوں کا کیا جواب دیا اور آیا آپ نے ان کی اس
 پریشانی میں کچھ ڈھارس بندھوائی یا نہیں اور پھر آپ کبھی حضرت بی بی سودہ کے پاس گئے یا نہیں۔ یا اخیر وہ ملک
 ان کی صورت نہیں دیکھی۔ یہ ساری باتیں بہت ہی غور طلب ہیں اور ان پر معمولی توجہ سے ہرگز کام نہیں نکلیں۔
 باری سوچئے اور پھر اس باری کی درخواست کو قبول کرنے کے پختی میں کیا آپ نے ان سے دن و شب کی گفتگو
 قطع کر دیا تھا اور اخیر تک آپ نے بی بی سودہ کی صورت نہیں دیکھی تھی حالانکہ رسول خدا کے اخلاق سے پیر
 بہت ہی بعید ہے جس پاک نفس کی تعلیم کا یہ اثر ہو کہ تیرہ سو برس کے بعد بھی کردار و بند گان حنا صرف آپ کے
 مبارک نام پر جان دیے کو موجود ہیں اور آپ کا نام ان کے کلیجے ہلا دینے کے لئے عجیب اثر رکھے اس کی
 نسبت ایسے کھل خیالات بکھانے سخت بے انصافی ہے۔ یہاں سے یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ اگر اس روایت
 کو ہمہ وجہ ہی صحیح مان لیا جائے پھر بھی رسول مقبول پر کوئی الزام نہیں عائد ہوتا کیوں کہ درخواست کی بی بی سودہ
 نے اپنے سورو فی خیالات کے مطابق محض بٹا ہے اور کردار دل ہونے کی وجہ سے ازدواجی بی سودہ کے
 دل میں یہ خیال پیدا ہوا اور انہوں نے معمولی طور پر اس کا دفعیہ حضور انور سے ذکر کر کے کر دیا اور ساتھ ہی باری
 سے دست بردار ہونے کے پختی میں کہ میری عمر بڑھانے کی آگئی میں نے کچھ شوہر کی خواہش کی وجہ سے نکاح
 نہیں کیا تھا بلکہ غرض یہ تھی کہ میں حضور انور کی سرپرستی میں آ جاؤں اور بس باری دینے کے معنی یہی ہیں کیوں کہ
 بلا درخواست اپنی باری سے دست بردار ہونے کا بھی مطلب ہے جو بیان ہوا ایک پہلو تو یہ تھا جو ہم نے بیان کیا
 اور اس روایت کا دوسرا پہلو اور ہے جس پر ہم بحث کرتے ہیں اور ہم اس قسم کی غلطی روایتیں میں خواہ وہ عجیب
 میں ہوں یا قرآن مجید میں تو ایسی نہیں ہوں یا تفسیر میں جس کے ایک ہی معنی لیتے ہیں اور کل روایتوں کا ایک
 ہی پہلو ہے مطلب یہ ہے کہ جو کچھ قرآن میں رسول کریم کو ازواج کے معاملہ میں خطاب کیا گیا ہے اس میں اس
 خطاب کے اصلی مخاطب مسلمان ہیں۔ عورتوں کا معاملہ چون کہ زیادہ پیچیدہ تھا اور بہت ہی خطرناک صوت پڑ
 گیا تھا اس لئے اس کا زیادہ بھمانا مقصود تھا اور بھمانے کا عمدہ پیرا یہی تھا کہ خود نبی کو مخاطب بنایا جائے جسبہ
 نبی سے خطاب کیا جائے گا تو مسلمان پر اس کا بہت اثر پڑے گا اور وہ نہایت کوشش سے اس پر عمل
 کریں گے۔ اس طرح غیبی صحیح حدیثیں اس قسم کی آئی ہیں ان میں ہی دورانہ پیش پیشوایان اسلام نے بالخصوص
 عورتوں کے معاملہ میں آنحضرت ہی سے نسبت دی ہے تاکہ مومنین کو تہیہ ہو۔ مثلاً بی بی سودہ اسی کے معاملہ
 سے ایک شہرہ مستفیذ مسلمانوں کو نکلتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ایک بی بی ٹی بیا ہو جائے اور تمہاری

اور جو ان میں سے ایک یا کچھ کو تو اس پر کیا کو محض بڑا ہے کی وجہ سے طلاق نہیں دینی چاہئے اور
پہلے اس کا معاملہ طے ہو جائے تا کہ لازم ہے عیسا خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: **وَاِنْ اَمْرًا خِلْفًا مِّنْ**
جَاهِلَانِ شُوِذًا وَاَعْرَضًا فَاُولَٰئِكَ عَلَیْہِمَا نَصِیْحًا مِّمَّا صَالِحًا وَاِلَّا فَمِنْ شَوَہِدٍ یعنی اگر کسی عورت کو اپنے شوہر
سے علیحدگی اور بے پروائی کا اندیشہ ہو تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں ہے کہ وہ آپس میں صلح کر لیں اور صلح
بستر ہے اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے بعض راوی یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت بی بی سودا کیلئے
نازل ہوئی تھی جب ان کے دل میں یہ خوف پیدا ہوا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم طلاق نہ دیں اور بعض راویوں کا
یہ قول ہے کہ اس آیت میں عام حکم ہے اس کا نزول بالخصوص بی بی سودا کے لئے نہیں ہوا تھا بھال کچھ
کیوں نہ ہو اس آیت سے یہ ضرور پایا جاتا ہے کہ غارتگی کی صورت سے جائز نہیں ہے اور اہم صلح ہو جائی
بہتر ہے۔ اس عورت کے دل میں اپنے خداوند کی طرف سے خوف پیدا ہونا بے بنیاد ہی ہو سکتا ہے اور اس کی
مقبول وجہ یہ ہو سکتی ہے ممکن ہے کہ خداوند کسی فکر یا کسی خیال کی وجہ سے ہند و نکاح بی بی سے اپنی معبودہ
عادت کے مطابق برتاؤ نہ کرے اور بی بی کو شبہ ہو کہ یہ مجھے ناراض ہے اور مجھے جو بڑا ناچا ہوتا ہے ایسی حالت
میں خیالات کی صفائی ضرور ہو جانی چاہئے اور یہی حکم خدا تعالیٰ کا ہے یا شوہر کو بی بی کی کوئی بات کہی
گئی ہو اور وہ کسی وجہ سے کہ نہ نہ ہو مگر شدیدہ خاطر نہ ہے لگے اور عورت کو اپنی خفا کا علم نہ ہو اور وہ دل میں طلاق
کا اندیشہ کرتے لگے تو اس حالت میں ہی صفائی ہو جانی بہتر ہے تاکہ طرفین کے دل سے کدورت نکلتا ہے۔

غرض حضرت بی بی سودا کا ایسا معاملہ نہیں ہے جس پر بطوفان بے تمیزی برپا ہو رہا ہے اور بلاوجہ اسے
زنگ چڑھا کر ٹھکے بیان کیا جاتا ہے۔ بات صرف یہ ہے جو عورت سے ثابت ہوتی ہے کہ ان کے دل میں
انگوہ یا خیال پیدا ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا مجھے طلاق دیدیں اور انہوں نے اپنے بے بنیاد شبہ
کو آنحضرت سے عرض کر کے رفع کر لیا۔ بس بابت اتنی ہے اور اس میں اور کوئی اعتراض کے قابل امر نہیں ہے
بی بی سودہ اگر صحابہ کرام البتہ ان کی بی بی نہیں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ میں نبوت کی کسی شان ہو جانی
چاہی تھی اور ان رہائی صفات سے مملو تھیں جو خاص نبیوں کو فطرت کی طرف سے عطا ہوئی ہیں آپ میں
علاوہ سوروشی خون ہوئے۔ کے عورتوں کی وہی فطرت تھی جو روزانہ ان سے انہیں عطا ہوئی تھی اور اس کے
آہستہ دل میں وہی خیال آیا جو اس عورت بی بی کو آسکتا تھا۔ بڑی حکمت جواب کے اس خیال میں ضمیر جو وہ
یہ سچے کو آپ نے اس طرح اپنا اندیشہ ظاہر کر کے اسات کا نقشہ بھیج دیا کہ اس زمانہ میں عورتوں سے کیسا
شرمناک برتاؤ کیا جاتا تھا اور یہی بیان مثل جوتی کے نہیں کرتی ہوئی اور اتار کے پہنچا دیا یہی زمانہ
جو اس روایت میں ضمیر جو اس کا بڑی وقت سے کہہ چکا تھا لکھا ہے۔

جو کچھ ہم نے اوپر لکھا ہے اس آیت کو صحیح مان کے لکھا ہے مگر جہاں اسے جہاں تک ہمیں تحقیق
ہو اسے یہ روایت سراسر سناوٹی اور لغو ہے اور رسول کریم کی معاشرت پر ہرگز جہان نہیں ہوتی یہ روایت

نجد ان لاکھوں غلط روایات کے جو جدید فرقوں نے اسلام میں داخل ہوئے پھر شری ہو اور کسی غلط
درجہ کے سوخ یا محدث کو واقعات یا احادیث کی تاریخیں کھینچ کر اس کا خیال نہ رہا ہوا سوائے کسی محدث
کسی مفسر کی مجتہد کو معصوم نہیں تسلیم کیا گیا ہے اور کوئی مسلمان نہیں کہہ سکتا کہ فلاں محدث یا مفسر یا مجتہد معصوم
تھا جب اسما را رجال بنا کر اور کھڑی کھڑی حدیثیں پر لکھنے میں آتی ہیں ممکن اور قریب قیاس ہے کہ لاکھوں جھوٹی
سچی حدیثوں کے انتخاب کے وقت دس میں پچاس ایسی ہی انتخاب ہو گئی ہوں جنہیں سچا سمجھ لیا ہوا اور معاخیر
میں ان صحیح کتابوں میں باقی رہ گئی ہوں جو اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ ہماری اس رائے سے کسی کو
بھی انکار نہیں ہو سکتا اسلئے کہ سوائے رسول کریم کے ہم کسی کی مصونیت کے قائل نہیں ہیں۔ اس کی بابت ہم
آئندہ کہیں مفصل بحث کریں گے اور اب بی بی سودا کے حالات کو یہ لکھنے کے ختم کرنے میں کہ اول تو یہ روایت
ہی صحیح طور پر لغو ہے خواہ علاوہ قرآن کے کسی کتاب میں کیوں نہ ہو اور اگر اس روایت کو صحیح مانا جائے تو
ہماری اوپر والی تفسیر آسکے لئے کافی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

اس خانوں اعظم کی نسبت بہت کچھ اعتراضات کئے گئے ہیں نہ صرف عیسائیوں کی طرف سے بلکہ مسلمانوں
کے ایک فرقہ کی جانب سے بھی بہت کچھ نکستہ جینیاں ہوتی ہیں جہاں اعتراضوں کی مہلت پر غور کریں گے اور دیکھیں گے
کہ وہ کہاں تک صحیح ہیں اور ان کی حلیت کیا ہے۔

مختلف روایتوں کے طوفان بے تیزی نے غضب ڈال دیا ہے اور جب ایک محقق شخص اس ڈھیر میں سے
سچی روایتیں منتخب کرنا چاہتا ہے تو اسے سخت وقتیں ہٹنی ہیں اور وہ پریشان ہو کہ کسی آئندہ فوجتہا ہے اور
کبھی گریبان پہاڑ تا ہے اور ہر غور کرنے بیٹھ جاتا ہے۔ بڑی کوشش اور وقت کے بعد ہم نے کچھ واقعات
کا انتخاب کیا ہے اور ہم خیال کرتے ہیں کہ ہمارا یہ انتخاب ایک حد تک ناظر نفس کا اطمینان کر دے گا حضرت
صدیقہ حضرت ابوبکر صدیق کی صاحبزادی تھیں۔ اور آپ کی سات سال کی عمر ہی جب رسول کریم سے آپ کا نکاح
ہوا اتنا اور تین برس کے بعد آپ وصال ہوئی تھیں۔ اس کم عمری کے نکاح پر بعض جدیدہ دہن عیسائیوں نے
بہت جبری زبان درازیاں کی ہیں اور محض بازاری الفاظ سے رسول کریم کو یاد کیا ہے کہ ہم نہ ان الفاظ کو نقل
کریں گے اور نہ ان کا ترکیب کی جواب دینے بلکہ جو طریقہ کہ نہایت شائستگی کا ہم نے اختیار کر لیا ہے اس سے
ہم تجا و زمینیں کریں گے اور انہیں مذہب الفاظ میں گل جوابات آجائیں گے۔

پہلا اعتراض صرف یہ ہے کہ نبی کی شان سے بعید ہے کہ اس جھوٹی سی عمر کی بچی سے نکاح کرے اس
اعتراض کا مطلب نہیں سمجھ میں آیا۔ نکاح کے لئے کوئی عمر خافہ یا بی بی کی آسمانی معترکہ ہوئی نہیں ہوتی چونکہ
یہ دنیا کے معاملات ہیں اسلئے ملکی رسوم کے موافق ان پر کلام بند ہونا پڑتا ہے۔ اگر ایک شخص کا نکاح اپنی

عمر سے بہت کم کی لڑکی سے ہوا تو اسکے معنی ہرگز نہیں ہوئے کہ بڑبڑتی سے نکاح ہوا جب جائز طریقہ نہ نکاح کا برتا گیا پھر اس کے ناجائز ہونے کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے عوب چون کہ گرم ملک ہے اسکے دہاں چھوٹی عمر میں اکثر نکاح ہو جاتے ہیں کچھ عرب ہی پر مقرر نہیں ہے بلکہ دنیا کے تمام ممالک میں عورت و مرد کی عمریں بہت بڑا فرق ہوتا ہے ہر قوم میں ہزاروں ایسے لوگ موجود ہیں جن کی عمریں پچاس ساٹھ سے زیادہ بچاؤ کی ہوئی ہیں مگر ان کی بی بیوں کی عمر پندرہ سولہ سال سے زیادہ کی نہیں ہے۔ اگر نکاح کرنے میں عمروں کی کوئی قید ہو تو وہ بتائی چاہئے۔ مثلاً یوسف بخار کی عمر ستر ستر سال کی تھی اور حضرت بی بی مریم عیسیٰوں کے فرضی خداوند کی والدہ ماجدہ کی عمر پندرہ سولہ سال کی تھی جب شادی ہوئی ہے کیا ہم اپنی نادانی سے اس شادی کو ناجائز کہیں گے اور کیا یہ ممکن ہے کہ دنیا کا بڑا حصہ ناجائز شادیوں کا مرکز بن جائے۔ عیسیٰ بن مریم ہے اور عوب استدلال ہے جس کا سر نہ پیر۔ رسول کریم بدینت تھے اس لئے انہوں نے بہت کم عمر کی لڑکی سے نکاح کیا تھا۔ اس سے زیادہ مقصوب اور ہو نہیں سکتا کہ بلا وجہ الزام قایم کر دیا اور خوش ہو گئے کہ ہم بڑا پالہ مارا۔

اور اس نکاح کا ایک سیاسی پہلو ہے اور اسے بغور دیکھنا چاہئے حضرت صدیق اکبر قریشی سردار تھے اور انہیں رسول کریم نے ایک خاص وقت تکبختی تھی ہجرت کے وقت سب انہوں نے رفاقت کی تھی اور حضرت صدیق کی صاحبزادی اپنی جان کا خوف نہ کر کے غامیہ ایک قتل کیا تاہم اپنی آئیں پہلوں میں صحبت تھی مگر صدیق اکبر کے ہشتے رشتہ دار ابھی تک مخالفت پر تھے ہوئے تھے اور برابر بھڑکنا لڑائی روائی کئے جاتے تھے حضرت ابوبکر کے خیال میں اس سے بہتر حکمت کوئی نہیں آئی کہ اپنی صاحبزادی کا نکاح رسول کریم سے کر دیں تا کہ رشتہ داروں کے غصہ کی آگ رشتہ ہو جائے کی وجہ سے ٹھنڈی پڑے اور بعد از ان علانیہ مخالفت نہ ہو سات برس کی عمر میں نکاح کرنے سے یہی بہت بڑی غرض تھی اور فی تحقیق حضرت ابوبکر صدیق کا خیال بھی صحیح تھا۔ آپ نے اپنے اس خیال کو بچتہ کر کے رسول کریم سے درخواست کی اور عرض کیا کہ میں اپنی چاہتی تھی آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں رسول کریم نے قبول فرمایا۔ لیکن جو کہ صدیق اکبر نے اس جدید نکاح کے راز اپنے منصوبہ میں کو سمجھا ہوں گے اور عام بیچ بیچ بتا دی ہوگی غرض باقاعدہ نکاح ہوا اور تین برس کے بعد حضرت بی بی عائشہ دواع کر دی گئیں۔

اس جدید تعلقی نے ایک نئے اتحاد کی اور بنیاد ڈالی اور جو عاصد کراس سے حاصل ہوئے خیال کئے گئے تھے سب آسانی سے حاصل ہو گئے۔ اب یہ باتیں بیان کرنا کہ رسول کریم کو سب بی بیوں سے زیادہ بی بی عائشہ سے بہت محبت تھی ادا ہے آپ ان ہی کے پاس زیادہ رہتے تھے فضول بات جو ہم یہی کہتے ہیں افسوس نہی اور بہت ہی محبت تھی سخت شرم کی بات ہے کہ خاندانی بی بی کی محبت ہماری محبت چھیناں ہوئی ہیں اور بڑے ہی عیب گناہاں ہے۔ اس میں رنگ نہیں کہ آپ نے اپنی بی بیوں سے محبت کر کے اس بات کی نظیر قایم کر دی

کہ بی بیاں اسلئے نہیں بنائی گئی ہیں کہ ان سے بھگت بیڑا بیا جائے اور انہیں مثل لداؤ جانوروں کے سمجھا جائے اور نفرت سے ان سے بات کی جائے اور کبھی بخندہ بیٹانی ان سے پیش نہ کیا جائے یہ ساری باتیں دنیا کی تمام تمدن اور غیر تمدن اقوام میں عورتوں کے ساتھ برتی جاتی تھیں اور جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں جو کوٹاٹ البیت خیال کیا جاتا تھا۔ نیالے لیا پڑنا پھینک دیا۔ آپنے اس لئے بھی اتنی شادیاں کی تھیں کہ خود برتاؤ کو کہ اپنی امت کو تباہ کرکس طرح بی بیوں سے محبت رکھتے ہیں ان کے فرائض کیا ہیں اور ہنہر کیوں کر ادا کیا جاتا ہے متعدد بی بیاں ہونے پر بھی کے ساتھ کیساں برتاؤ کیا جاتا ہے اور کیساں کے حقوق کی نگہداشت کی جاتی ہے۔ نہابی نصیحت کا اتنا اثر نہیں پڑتا جتنا عالمی نصیحت کا ہو تا ہے اور آپ کو بحیثیت ایک جلیل القدر نبی ہونے کے لازمی بلکہ ضروری تھا کہ دنیا کی قدیم معاشرت میں آپ نے جو کچھ ترتیبیں کی تھیں وہ خود کر کے دکھا دیں۔ جو کچھ آپ کی ترسیم شدہ معاشرت تھی وہ نہ صرف قریشوں سے بلکہ یہود و نصاریٰ سے بھی غیر خفیہ عورتوں کے حقوق کی اس طرح نگہداشت ان سے محبت کرنا یہ ایک عجیب غریب سماں تھا جو دنیا تعجب سے دیکھ رہی تھی اور بعد ازاں مسلمانوں کی یہ معاشرت کہ نو بی بیوں سے زیادہ بڑھ گئیں غیر قوموں میں تعجب و دیکھی گئی۔

اگر آپ متعدد نکاح نہ کرتے تو مسلمانوں کو عملی طور پر کیوں کر سمجھا سکتے تھے کہ بی بیوں کے کیونکر برتاؤ کرنا چاہیو۔ اور ان کے حقوق اگر متعدد ہوں تو مساوی رکھنے کا خاوند کا بہت بڑا فرض ہے۔ عیسائی حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام کہیں کہ آپ کو عورتوں سے بہت ہی محبت تھی یہ بھی عجیب تماشہ کی بات ہے کہ عورتوں سے محبت کرنے کو اس اکیسویں صدی کے تمدن زمانہ میں جرم قرار دیا جاتا ہے۔ لاکھ کچھ تہذیب پسند اور ہر ارکچر ٹن میں متقی ہو لیکن ممکن نہیں کہ عیسائیوں کی عورتوں سے نفرت کرنے کی موردی عادت جائے۔ انسان کی جو اصلی فطرت ہونی چاہئے اور جس کے بغیر انسان کبھی انسان نہیں بن سکتا اس صفت پروردہ بہرین معرض حملے کرتے ہیں اور اس کا شمار دنیا کے بدترین عیبوں میں کرتے ہیں۔ عیب غایہ ہنرش در نظر کا مضمون ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے اور اس کی صداقت میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ آپ نے فرمایا ہو مجھے تین چیزیں مرغوب ہیں۔ نماز، خوشبو اور عورت۔ بظاہر اس حدیث سے نفس پرست کچھ ہی خیال کیوں نہ کریں مگر اس حدیث قدسی میں عورتوں کے اعلیٰ مراتب کا پورا احاطہ کا کینچ دیا اور بتا دیا ہے کہ عورتوں کے کیا درجے ہیں اور ان کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہئے۔ دنیا بھر کی اس شر سناک رسم پر کہ عورتوں کو مثل مویشیوں کے خیال کیا جاتا تھا اس حدیث سے ایک بہت بڑا تاننا باند لگا ہوا نام قدیمی خیالات کی جڑا کیر کے پھینک دی گئی۔ آپ نے عورتوں کی محبت کو عبادت الہی کے پہلو بہ پہلو کیا ہے اور اس سے زیادہ عورتوں کی تعظیم ممکن نہیں۔ کون اعتراض کر سکتا ہے کہ اسلام میں عورتوں کی کوئی وقعت نہیں کی گئی اور کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ اسلام عورتوں کے حق میں ظالم ثابت ہوا ہے آپنے

عورتوں سے محبت کرنے کا بڑی سرگرمی سے اس وقت اعتراف فرمایا کہ جب عورتوں کو پیدا ہونے ہی مذہب و رگوں رکھنے کی سبب ہم تمام عیسائی عورتوں کی محبت کی عادت کو شیطان کا تعجب دیا تھا اس رستہ پر عورتوں سے انتہا اور نفرت کے زمانہ میں عورتوں کی محبت کو عبادت رب الافرار اور خوشبو کے پہلو پہ پہلو رکھنا ایک زبردست دلیری اور اعلیٰ درجہ کی عورتوں کے مداح میں ترقی تھی۔ اور انصاف سے نظر کرنے کے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ عورتوں سے محبت اور ان کا پاس و ادب کرنے کا فخر اسلام سے زیادہ کسی مذہب کی بھی نہیں ہے۔ جو عیسائی مصنف کس غیر معمولی محبت پر حضور انور پر اعتراض کرتے ہیں وہ یہی حق بجانب ہیں کیوں کہ انہیں اپنے آباؤ اجداد کی نفرت کا ورثہ ملا ہے اگرچہ بظاہر وہ کسی ہی باتیں باتیں لیکن ممکن نہیں کہ دل سے اس نفرت کو مٹا دیں جو ان کے خون میں صد سال سے ملی ہوئی ہے۔

حضور انور سے زبان مبارک ہی سے نہیں فرمایا کہ مجھے عورتوں سے دلی محبت ہے بلکہ اس کا عملی ثبوت بھی دیدیا اور دنیا کو سکھادیا کہ عورتوں کی محبت انسانیت اور شرافت کی جزو و غلہ ہے اور وہ انسان نہیں ہو کر چکے دل میں عورتوں کا پاس و ادب نہ ہو حضور انور کی اس عملی تعلیم کا اثر مسلمانوں پر پڑنے سے ہوا اور آج دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں بچ گئی کہ جس کے ہاں عورتوں کا اتنا بڑا احترام کیا جاتا ہو جتنا مسلمانوں کے ہاں ہوتا ہے حضور انور کی کل ازواج پاک اہل بیت المؤمنین کے سوا بقیہ سے ممتاز نہیں اور بیشیہ مسلمانوں نے ان کا وہی احترام کیا ہے جو ان کے ساتھ بہت فضائل اصول اسلام ہو سکتا تھا حضرت فاطمہ الزہرا حضور انور کی صاحبزادی دنیا کی خاتونوں میں اول درجہ بھی جاتی ہیں اور آپ ہی خاتون محشر بھی کہلاتی ہیں یہاں تک آپ کا احترام کیا گیا کہ مسلمانوں نے اپنی آخری نجات کا دار و مدار آپ ہی کی تعلیم پر منحصر کر دیا۔ اسی طرح حضرت بی بی عائشہ کو تمدن اسلام میں بہت بڑا مرتبہ عطا کیا گیا اور احادیث صحیحہ کے بڑے حصہ کی کھوت کا دار و مدار صرف آپ ہی کی ذات پر موقوف ہے۔ آپ سے صد احادیث منقول ہیں اور آپ نے مذہب اسلام کو ایسی مدد دی ہے کہ جب تک دنیا قائم ہے وہ آپ کا ممنون رہے گا۔

حضرت بی بی عائشہ کے مفصل سوانح عمری سے جو ہم آگے لکھیں گے آپ کا علم و فضل آپ کا سیاسی دماغ اور آپ کی سپاہیانہ کاروائیوں کا پورا علم ہو جائے گا اور کافی طور پر اس امر کی صداقت ہو جائے گی کہ اسلام نے عورتوں کو کتنا عروج پر پہنچایا تھا اور ان کی مردوں کے ساتھ کس حد تک مساوات ہو گئی تھی۔

اس مصلح کی بابت اگر عیسائیوں کا کوئی اعتراض ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ بہت کم عمری میں نکاح ہوا انہیں سوا ہے اس کے وہ کوئی اعتراض نہیں کرتے یا ان روایتوں کو نقل کرتے ہیں جو حضرت بی بی عائشہ کی نسبت مشہور ہیں کہ انہوں نے اپنی زبان سے اپنے تعلقات زوجیت کا اظہار کیا اور اس محبت کو بتایا جو حضور انور علیہ السلام کے ساتھ تھی چنانچہ ہم ان روایتوں کا خلاصہ کر دیتے ہیں جو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نسبت بیکافی ہیں اور انہیں کو ان کا قایل بنایا جاتا ہے۔ وہ روایتیں ہمیں حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ میں پیغمبر خدا کی ساری

از دوح میں کئی وجہ سے ابھی ہوں اول آپ کی ساری بی بیوں میں ہی بن بیابھی آئی۔ دوم میرے ماں باپ
 صاحبزادہ جو مہربان کا ساری کا بستان لگایا گیا تھا۔ آسمان سے میرے بیگناہ ہوئے پر ایت آئی تھی پھر مہربان میں
 بن بیابھی تھی جبرائیل نے میری تصویر پیغمبر خدا کو دکھائی تھی کہ اس سے سماج کو فخر میں اور پیغمبر خدا دونوں ایک ہونے
 میں نہایا کرتے تھے اور کسی بی بی کیساتھ ایسا نہیں ہوا۔ ششم شب کو پیغمبر خدا نماز پڑھتے تھے اور میں سانسو لٹھی
 رہتی تھی۔ ہفتم کسی بی بی کے ماں سوئے ہوئے وہی نہیں آئی مگر میرے ماں سوئے وقت کبھی کبھی وہی آتی
 آتی تھی۔ ہشتم آپ نے اس وقت وفات پائی جب میرے زانو پر سر ہار رکھا ہوا تھا۔ نهم جس شب آپ نے
 وفات پائی وہ میرے مکان میں رہنے کی شب تھی۔ دہم میرے ہی چچو میں آپ مدفون ہوئے۔ اسکے علاوہ
 اور بھی بہت سی باتیں مشہور ہیں جو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کی جاتی ہیں یعنی آپ
 فرماتی ہیں جب میرا نکاح ہوا میں چھ سال کی تھی اور جب میں اپنے گھر سے دوح ہوئی مہری عمر نو برس کی تھی میرا
 مہر لاکھ سو دہم کا بندھا تھا۔ وغیرہ وغیرہ اور بھی بہت سی روایتیں ہیں جو ہم نے عمد اقلیم انداز کردی ہیں اور ہمارا
 خیال ہے کہ سب کا ایک ہی مضمون یہ ہے کہ پیغمبر خدا کو آپ کے ساتھ سب بی بیوں سے زیادہ خصوصیت تھی اب
 ہم ان روایتوں کی خط پر ایک نظر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان میں صداقت کا مادہ کتنا ہو۔

جہاں تک غور کیا جانا جو ان میں سے ایک روایت بھی صحیح نہیں معلوم ہوئی اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ
 جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ دوسری ازواج نے آپ کے مقابل میں رسول خدا کی محبت کا اظہار کیا تھا پھر
 یہ بات صحیح نہیں آئی کہ بلا وجہ حضرت عائشہ نے ان را زوار از تعلقات کے بیان کرنے میں جبروریت سے
 متعلق تھے اتنی دوسری فرماتی ہو کسی حدیث اور کسی تاریخ اور کسی ضعیف سے ضعیف روایت سے یہ ثابت
 نہیں ہوتا کہ حضور زانو کے وصال کے بعد خلفائے راشدین میں سے ایک خلیفہ نے بھی اہمات المؤمنین کی
 تحریک اور عزت کرنے اور ان کے حقوق بحال رکھنے میں کچھ بھی کئی کی ہو یا ان میں کچھ امتیاز قائم کیا ہو مثلاً حضرت
 ابو بکر صدیق کی خلافت میں حضرت عائشہ کی اس وجہ سے زیادہ چلبلی ہو کہ آپ خلیفہ وقت کی بی بی تھیں اور حضرت
 فاروق اعظم کی خلافت میں حضرت بی بی حفصہ رضی اللہ عنہا کا طوطی بولنے لگا ہو کہوں کہ آپ کے والد خلیفہ ہوئے
 تھے۔ یہ بات ہرگز نہ تھی نہ اسکا ضعیف سا اشارہ بھی کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں پایا جاتا ہے۔ حضرت
 ابو بکر صدیق کے زمانہ میں کل ازواج پاک سے آپ اور بے انتہا تحریک کا یکساں برتاؤ کیا جاتا تھا حساب کی
 تنخواہوں میں مساوات تھی اور ایک تل برابر ہی فرق کسی سے برتاؤ کرتے میں نہ تھا حضرت بی بی عائشہ کی زیادہ
 تنخواہ مقرر نہیں ہوئی تھی نہ انہیں کوئی جاگیر بخشدی گئی تھی۔ نہ بی بی حفصہ کے ساتھ کوئی خاص رعایت حضرت
 فاروق اعظم کے زمانہ میں ہوئی تھی جب یہ بات رہتی اور مساوات اس درجہ قائم تھی پھر میں نہیں آتا کہ پیغمبر
 کسی بی بی نے حضور زانو کیساتھ اپنی خصوصیات کا جبکہ مقابل میں اور کوئی معنی نہ تھا بلا وجہ اظہار کیا یہ ایک گمراہ
 رائے ہے جو زیادہ توجہ کا محتاج ہے اور یہ ایک بہت بڑی بات ہے جس کے ذریعہ سے مذکورہ روایتوں کی

صداقت اور غیر صداقت معلوم ہوجاتی ہے۔

انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ جب وہ کسی سرپرست کی وفات کے بعد اپنے حقوق نزائل ہوتے ہوئے دیکھتی ہو یا یہ نظر کرتی ہے کہ دوسرا سعی مقابل میں اپنی خصوصیت کا اظہار کر رہا ہے تو اس وقت ادبائے اسے ان تعلقات کا خواہ نہ بانی ہو یا آخر میں آچکے ہوں اظہار کرنا پڑتا ہے جو ہر جرم کے ساتھ آسے تھے۔ اس کا ذکر نہیں کہ اس کے بیان میں صداقت کس قدر ہوتی ہو اور لغویت کتنی۔ اور جب یہ بات نہیں ہے اور کوئی سعی بھی نہیں کھڑا ہوا ہے اور نہ حقوق نزائل ہونے کا اندیشہ ہے تو یہ نہیں ممکن ہو سکتا کہ وہ بلاوجہ بولنے لگے کہ مجھے یہ خصوصیت تھی اور یہ گہرا تعلق تھا۔ ایک پہلو تو یہ ہے دوسرا پہلو ان روایات کا جن کی نسبت حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے دی جاتی ہے کہ یہ ہے کہ خیال نہیں ہو سکتا کہ زوجیت کے راز دارانہ تعلقات کا کوئی خاتون علی الاعلان اظہار کرے۔ عورت کی فطرت میں خواہ وہ کسی ملک کی کیوں نہ ہو شرم کا مادہ و دہلیت ہوا ہے اور ساتھ ہی وہ اپنے خاوند کے رازوں کو بھی کسی کسی حالت میں دوسروں کے آگے بیان نہیں کرتی۔ یہ باتیں جن کا تعلق خاص اپنے نفس سے ہوتا ہے کسی دوسرے شخص کے آگے ان کا دوسرا نام محض فضول ہے اور بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہ عیسیٰ عالمہ کی نسبت یہ خیال کہ آپ نے زوجیت کے رازوں کا اس طرح اظہار کر دیا تھا سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ ہم مانتے ہیں کہ یہ روایتیں اسلامی کتب میں موجود ہیں اور اس کا بھی ہم متراف کرتے ہیں کہ ان میں بعض روایات کا پتہ اسلامی صحیح کتب میں بھی ملتا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم ان روایتوں کا وہ مضمون سمجھیں جس کو عام لوگ سمجھتے ہیں ہم کہتے ہیں جسطرح ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں کی عزت اور تحقیر کا خیال تھا اسی طرح آپ کے بعد علماء محدثین کو بھی اس کی طرف پوری توجہ تھی چوں کہ یہ تزییم عورتوں کے تمدن میں نئی نئی ہوتی تھی اسلئے علماء اسلام کو خیال تھا کہ مبادا جو کلمہ پہرانی سورت پر عادت پڑا نہیں اور عورتوں کو جیسی نفرت کی نظر سے دیکھنے لگیں جس نظر سے کہ ان کے آباؤ اجداد یا وہ خود قبل از اسلام دیکھتے تھے اس نظر سے ایسی روایتیں بنائی ہوں جن میں یہ تذکرہ ہو کہ نبی معصوم کس طرح اپنی ازواج پاک سے محبت کر سکتے تھے اور آپ نے عام مسلمانوں کو کس طرح عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی عمدہ تعلیم دی ہے جو ان روایات کے بیان کرنے میں سوائے اس حکمت کے اور کوئی حکمت سمجھ میں نہیں آتی۔ ابتدائی زمانہ کے مسلمانوں کے سادہ خیالات اور سادہ معاشرتی تہیں جو ان کے دل میں متاودہ ان کی زبان پر تھا اور وہ ہرگز نہیں سمجھتے تھے کہ جو اقوال نیک نیتی سے بیان کئے گئے ہیں ان پر اس طرح سختہ چینیان ہوں گی اور یہ طوفان بے نیازی اٹھے گا۔ وہ اپنا سانیک نیت دنیا کو سمجھتے تھے اور انہیں اسلام نے اول ہی روز سے تعلیم ہی نہیں دی تھی کہ بخلی کو اپنے خیال میں رستہ دیتو۔ ان روایات کی مجموعی صحت پر جب نظر جائے گی تو معلوم ہو گا کہ کسی طور سے ہی ان کی نسبت حضرت عائشہ کی ذات کے ساتھ نہایت کتنی اور ممکن نہیں کہ انہوں نے بلاوجہ اور بلاسبب اپنے زوجیت کے اندرونی تعلقات کا اس طرح افشا کیا ہو اور

اگر ہم اسے صحیح تسلیم کر لیں اور یہ سمجھیں کہ یہ دینیں کسی طرح بھی غلط نہیں ہو سکتیں بیشک جتنے اقوال کہ مشرکوں
 کہتے جاتے ہیں یہ سب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہیں تو ہم ان روایات کو صحیح سمجھ کر ہر ایک کی توجیح
 کرینگے تاکہ عام طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ ایک روایت سے بھی کوئی شخص حضور یا امام المؤمنین کی ذات
 میں نہیں آسکتا جن کے خیالات اس معاملہ میں مذہب ہیں وہ اہل جان اقوال پر متراض کرتے ہیں وہ ذرا
 توجہ اور غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ ہم الزامی جواب دینے پتہ نہیں کرتے ہمارے جتنے جواب ہوں گے وہ
 سب تحقیقی ہوں گے ہمیں مطلب کیا کہ دوسرے مذہب میں فلاں فلاں بد مذہبی کی باتیں ہیں اور یہ بیانیہ
 ہیں جب ہم یہ سمجھ چکے کہ اسلام سے بہتر کوئی مذہب نہیں ہے نہ ہرگز کسی بات کی گنجائش ہی نہیں ہے
 اگرچہ ہم مانتے ہیں کہ خاص خاص موضوعوں پر الزامی جواب دینا لازمی ہو جائے اور بغیر اس کے چاہے نہیں
 ہوتا مگر اس موقع پر چند ان الزامی جواب کی ضرورت نہیں ہے ہم جو کچھ لکھ رہے ہیں اس سے ہماری غرض
 بحث و مباحثہ میں پڑنے کی نہیں ہے بلکہ ہمارا اصلی مقنا اس غلط فہمی کو مٹانے کا ہے جو بعض کو تاہنہ تذبذب
 کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو گئی ہیں اور بعض بد مذہب تباہی کے کرناؤں نے بات کا بنگلہ بنانا کے
 ان واقعات پر شرناکی کا ایسا رنگ چڑھا دیا کہ وہ کہہ کر تعجب ہوتا ہے کہ فرضی خداوند کے ماننے والوں اور لوگوں
 کی ہی اس قدر جرات ہوئی کہ وہ اس دریدہ دشمنی سے فخر زل پر متراض ہو سنے لگے اور انہیں اپنے آپ کے کچھ
 خبر نہ رہی کہ نبی کریم کو یہودی کیا کہتے ہیں۔ ان کے فرضی خداوند کی نسبت یہودیوں کی مذہبی نگہ میں کیا فضیلت
 ہو چکا ہے اور ان کے مصنفین مذہب کی بنائے ناقابل یقین اصول پر ہے۔ یا نہ ہمہ ہم ان پر کچھ سبب شرم نہیں کرتے
 بلکہ دعا کرتے ہیں کہ خدا انہیں راہ ہدایت دکھائے۔

اول حضرت عائشہ کا یہ فرمانا کہ میں بغیر خدا کی کل ازواج میں ابھی ہوں کیا بنوائی پیدا کرتا ہے۔ یہ مانا کہ سب
 نبی کی عیب پسائی نہیں لیکن یہ تو نہیں کہا جاتا کہ ان عیبوں کے خیالات قابلیتیں اور دماغی قوت ہی کیساں
 تھی چونکہ ایک شخص ہمیشہ کچھ دوسرے شخص پر فضیلت رکھتا ہے اگر آپ کی ازواج میں ایک کو دوسری پر
 فضیلت ہو گئی تو اس میں عیب کیا کہلتا ہے مگر جو باتیں کہ حضرت بی بی عائشہ سے وجہ فضیلت روایت ہوئی
 ہیں وہ یہ ہیں۔ اول کو اسے پہنچ ہونا۔ اس میں بھی کچھ غلطی نہیں ہے نہ جوٹ ہے نہ کوئی افسوس ہے
 صحیح ہے جب رسول مقبول سے پہنچ ہوا ہے تو آپ بن بی بی نہیں معلوم نہیں کہ ایک خاتون کا یہ قول
 کہ نہ آپ میں پہنچ ہوا یا کو اسے پہنچ میں کیوں لائق سزائے خیال کیا جاتا ہے۔ اگر لفظ کواری کوئی شخص لفظ اور
 قول نبی کریم کے ساتھ کواری مریم عیسائیوں کی مقدس کتابوں میں کیوں لکھا ہے اور کیوں شب و روز
 فرضی خداوند کے ماننے والے گرجاؤں میں کواری مریم کا نام چلا کرتے ہیں۔ شب و روز ہر قسم کی گفتگو اور مذہب
 سے مذہب علم ادب میں کیوں کو اسے باکواری کا لفظ مستقل ہو کر لکھا ہے یہ ساری باتیں محض تعصب کی بنا پر بنا
 جاتی ہیں مگر ان کا کذب تو اس قدر عیاں ہے کہ متعرض دل میں سمجھنا ہو گا کہ میں دیدہ و استہ جوت بول رہا ہوں۔

دوسرا فقر حضرت عائشہ کا یہ ہے کہ میرے والدین مہاجر تھے پھر یہی غلط نہیں ہے نہ اس بیان کرنے میں کسی قسم کی بڑائی عاید ہو سکتی ہے حضرت بی بی عائشہ کا یہ ذکرنا اشتہار ضبطی اسلام پر دل ہے کہ ان کے والدین مہاجر ہیں یعنی انہوں نے اپنا وطن اور اپنے رشتہ دار رسول خدا کے لئے چھوڑ دیئے تھے۔ شاید چہرہ کرنا مہاجرین کی نظروں میں اس لئے کھٹکتا ہوگا کہ جب حضرت مسیح پر مصیبت آئی ہے تو ایک ہی زندہ کسائی دیا تھا اور جو شبہ روز مسیح کے ساتھ نفرت کے مال اڑا رہے تھے انہوں نے بھی صورت نہیں دکھائی تھی اس لحاظ سے عیسائیوں نے بھی رفاقت اور انس پر غور کرنے کو آئندہ صحیح قرار دے دیا اور وہ اس امر کو سخت معیوب سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی وفاداری یا اپنے والدین کی وفاداری پر جو ایک سچے عمن کے ساتھ ہوئی ہو مگر کرے یا اس کا انہار کرے اسلئے وہ اس فقر پر جو حضرت بی بی عائشہ اپنے والدین کے مہاجر ہونا کا کرتی ہیں سخت مخالفت سے دیکھتے ہیں۔ چون کہ یہ ان کے فرضی خداوند مسیح کی عملی تعلیم ہے اسلئے وہ یہی قابل معافی ہیں۔

تیسرا فقر بی بی عائشہ کا یہ بیان ہوا ہے کہ بہتان عظیم مجھ پر اٹھایا گیا تھا خداوند تعالیٰ نے اس کی تردید کر کے آسمان سے آیت اتار دی۔ اس میں شک نہیں کہ اس سے زیادہ اور کیا تقدیس اور بزرگی ہو سکتی ہے کہ آسمان سے کسی کی صداقت کی آیت نازل ہو حضرت بی بی عائشہ پر بہتان قائم ہونے کے واقعہ کی خواہ کچھ ہی صلیت کیوں نہ ہو اور مفسرین میں اس کی نسبت خواہ کچھ ہی غلط فہمی کیوں نہ ہو گئی ہو مگر اس وقت ہم اس واقعہ کو ان ہی عربی معنوں میں لے کے بیان کرتے ہیں جو عام طور پر سمجھے گئے ہیں کہ جب حضرت عائشہ کے قافلہ سے کچھ بچا پر شبہ ہوا تو حضور انور کو کچھ شیت اس کے آپ انسان تھے اور انسانی جذبات اور خیالات سے مملو تھے بدگمانی ہوئی اور چند روز تک باہم کشیدگی رہی۔ اس عرصہ میں حضرت بی بی عائشہ سے درخواست کی گئی کہ وہ توبہ کریں اور معافی مانگیں مگر انہوں نے سخت انکار کیا کہ میں بالکل مقدس اور پاک ہوں اور مجھے توبہ کرنے اور معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ مسئلہ صحابہ میں بھی پیش ہوا اور کسی نے کچھ سامے نہ دی کیوں کہ یہاں رائے کا کوئی موقع نہ تھا۔ بلکہ کیا گیا ہے کہ آنحضرت بھی متروک تھے اور کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ رسول کریم کی کشیدگی سے صحابہ اور خود حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے بزرگ والد حضرت ابوبکر صدیق ناراض تھے مگر حضرت بی بی عائشہ کو کسی کی ناراضی کی مطلق پروا نہ تھی اور وہ ان بدگمانیوں یا شبہات کی جو لوگوں کو ان کی طرف ہو گئے تھے بہت دلیری سے مقابلہ کرتی تھیں اور اپنی تقدیس کا پورا پورا خیال رکھتی تھیں چونکہ وہ حق پر تھیں اسلئے وہ تنہا دلیری کے ساتھ اپنی صداقت پر قدم جمائے رہیں یہاں تک کہ آسمان سے ان کی صداقت کی شہادت نازل ہوئی اور تمام ازواج میں فی تحقیق یہ فقر حضرت بی بی عائشہ ہی کو ملا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ان کیلئے آیت نازل کر کے ان کی تقدیس کی شہادت دی ہو کسی کے نہمت لگانے سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ توبہ مانگنے والے سچے ہیں اور جن پر نہمت لگائی گئی ہے وہ ملزم ہیں حضرت بی بی مریم پر یہودی نہمت لگانے ہیں اگر شخص نہمت لگانے والے دن رکھتا ہے تو حضرت بی بی مریم کی عصمت اور تقدیس کی کچھ نہمت و تہمت نہیں ہے نہ حضرت مسیح کا یہاں

کوئی صریح قول موجود ہے جس سے اس الزام کی تردید ہوتی ہو جو یہودی اپنے قایم کئے ہیں۔ ہاں قرآن مجید نے حضرت بنی بی مریم کی تقدیس کی کچھ شہادت دی ہے اور بس۔ ایک عیسائی اعتراض یہ لکھتا ہے کہ سوائے قرآن کی ایک آیت کے اور کوئی ثبوت بنی بی عائشہ کی پاکدامنی کا مسلمانوں کے پاس نہیں ہے۔ مگر شخص جو کہ حضرت بنی بی مریم کی پاکدامنی کی تو ایک ہی شہادت نہیں ہے۔ اس سوائے قرآنی آیت کے دوسرا ثبوت مسلمانوں کے پاس نہ ہونا یہ کوئی قابل الزام امر نہیں ہے مسلمانوں کے ہاں قرآن مجید کی دو قطعی شہادت مزارِ حارہ روایتوں اور شہادتوں پر سبقت رکھتی ہے جب قرآن مجید نے شہادت دیدی ہے کہ انہیں دوسرے شاہد کے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی اور بحیثیت اس کے کہ وہ مسلمان تھے وہ قرآن مجید کے مقابلہ پر دوسرا شاہد تلاش ہی نہ کر سکتے تھے۔ بہر حال اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت بنی بی عائشہ کا یہ فقر قابل اعتراض نہیں ہے بلکہ انہیں جتنا فقر کریں زیبا تھا۔

چوتھا فقر یہ ہے کہ جب میں بن بیاہی تھی جبریل نے رسول خدا کو میری تصویر دکھا کے کہا تھا کہ اس لڑکی سے نکاح کر۔ اگر ہم اس روایت کو صحیح ہی مان لیں تو ہم نہیں خیال کر سکتے کہ اس میں کیا قباحت ہو اور کیوں حضرت جبریل کا تصویر دکھانا ناجائز گناہاں ہے۔ تصویر دکھانے سے یہ طلب صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے حکم سے یہ نکاح ہوا اور اس نکاح میں خاص خاص صلیحین و مکاتیب عملیہ تھیں جن کا مختصر کر ہم اوپر کرتے ہیں مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق کوئی کام بغیر خدا کے حکم کے نہیں ہوتا اگر حضرت عائشہ نے یہ روایت بیان کی تو اس کے لفظی معنی کیوں لئے جاتے ہیں اور مجاز ہی معنی سے کیوں روگردانی کی جاتی ہے۔ ہم کہتے ہیں اگر جبریل کے تصویر دکھانے کے معنی حکم خدا کے لیں تو کیا قباحت لازم آتی ہے۔ چلو یہی یہ صحیح اس روایت کے دجا معنی لیتے ہیں جو ظاہر الفاظ سے پائے جاتے ہیں نا ہم اس میں اس وقت بھی کچھ عینی کو کوئی گناہ نہیں رہتی جب کہ انجیلوں اور تورات میں ہزاروں لفظ اور دوازدہ قیاس اور غرض بائیس برہی ہوتی ہیں۔ ہم کس بنا پر انہیں تسلیم کرتے ہیں اور اس معمولی روایت پر کیوں ناگ بہوں چڑھاتے ہیں۔ حضرت بنی بی عائشہ کا یہ فقر عیسیٰ نے بحقیقت بجا و درست تھا۔

پانچواں فقر یہ ہے کہ خدا اور میں ایک برتن میں نہایا کرتے تھے یہ فقر اور کسی بی بی کو حاصل نہیں ہوا۔ سب سے پہلے آتا کہ ایک برتن میں نہانے کے کیا معنی ہیں۔ اگر یورپی تہذیب کا مضمون لیں کہ ایک بٹن میں گہرا گہرنا ہے اسی میں صابون لکھتا ہے اور ایک بار نہانے کے بعد وہی پانی ہلکا ہوتا ہے اور پھر کسی میں دوسرے دن غوطہ کھایا جائے اور آخر وہ پانی سٹھ جاتا ہے پھر کہیں یہ شکل پیدا جاتا ہے تو یہ تہذیب عرب میں رائج نہ تھی ہاں یہ تو ہو سکتا ہے کہ ایک سے نہایا جاتا ہو اور یہ کچھ عجیب کی بات نہیں ہے ہاں اس شخص کے لئے مخزنی بات ہے جو مسلمان ہوا جس برتن سے رسول کریم نے غسل کیا ہوا اسی کو وہ استعمال کرے تو اس سے زیادہ فقر اسے ہو نہیں سکتا۔ اگر فرض کریں کہ حضرت عائشہ نے ایک ہی برتن میں نہانے کا فقر کیا تو ان کی یہ اعلا دہجہ کی ایمان کی نشانی ہے کہ رسول کریم

کی اور نے اور نے تو موانوں کا انہیں کس قدر غمزدار دے کس وجہ اپنی عزت اور استیلا کی نشانی سمجھتی تھیں اس پر اعتراض کرنا اور ان باتوں کا فحشہ اڑانا یہ نہ صرف عقل سے بعید ہے بلکہ عین ناانسانیت ہے۔ اس قسم کے بیہودہ اعتراضات اپنے ساتھ کچھ وزن نہیں رکھتے بلکہ ان سے حضرت کا سفلیں پایا جاتا ہو کیا مانعہ کی بات ہے کہ اس انیسویں صدی میں ایک برتن میں نہانا عیب خیال کیا گیا ہے اور اس امر کو منافی نبوت سمجھا گیا جو اگر یہ موجد صمیم ہی ہوں تو ان سے اتنا تشویر کل سکتا ہے کہ عورت و مرد کی اس مغائرت کو کہوئے کی نہ ہر یک کی غمی جو مخلوق میں خون کی طرح پیوست ہو گئی غمی اور کسی طرح بھی نہیں ٹل سکتی تھی۔ الحمد للہ کہ رسول کریم کو اس میں کامیابی ہوئی۔

پچھتاغز پنجہ خدا نماز پڑھتے تو دریں آگے بیٹھی جی تھی۔ یہی کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے شکر ہے یہ بات وثابت ہوئی کہ رسول کریم حضرت بی بی عائشہ جیسی جاہلی بی بی کے ہاں ہی اسکے خدا کی عبادت میں مشغول ہوتے ہوئے تھے اور اگر بغرض محال یہی صمیم ہو کر نماز پڑھتے وقت حضرت عائشہ آگے بیٹھی جی تھیں تو یہی اپنی آست کے لئے ایک زبردست تعلیم ہے کہ انسان اپنے جذبات دلی کو بالخصوص اس وقت جب اس کی طین بی بی آگے بیٹھی ہوئی ہو کس طرح مغلوب کہہ سکے خدا کی عبادت کر سکتا ہے یہاں گویا انسانی قوت اور دلی جذبات پر غالب آنے کی ایک بے نظیر مثال قائم کی جو جس کی نظیر دنیا میں ملنی ممکن نہیں۔ اگر یہ بات کو حق سمجھ کے غور کیا جائے گا تو سب میں ایک زبردست تعلیم اور حکمت کا پہلو ضرور ہوگا اگر بیٹے کے بچوئے اس حکمت کو نہ دیکھیں تو یہ قصور حکمت کا نہیں ہو۔ بلکہ دلی بصارت کا نقص ہی سعدی نے بہت ہی درست کہا ہے۔

گر نہ جیندہ برد ز شب پرہ چشم چشمہ آفتاب را چہ گناہ

مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول کریم کا کوئی فعل حکمت اور تعلیم کے خالی نہ تھا آپ کا اٹھنا بیٹھنا سونا جاگنا کھانا پینا غرض ہر کام میں بالہ حکمت و مضمین تھی اگر آپ نے پچاس برس کی عمر تک دوسرا نکاح نہیں کیا تو یہ ہی اسطرح کی تعلیم تھی کہ مرد و جوانی کی عمر میں اپنی سی بڑی بی بی پر کس طرح خالق رہ سکتا ہو متعدد نکاح کئے ان میں سے بہت بڑی تعلیم تھی کہ انسان کسی کئی بیبیاں کر کے کس طرح مساوات قائم رکھے۔ اور اسے کیسا برتاؤ کرنا چاہیے ایک اسطرح کے برتاؤ کے پیغمبر ہیں کہ بی بی خوش ہو اور یہ سمجھے کچھ بھی سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہو۔ اگر حضرت بی بی عائشہ کے فخر فغل کئے گئے ہیں تو ان کے مقابل میں کسی اور بی بی کی تشویر بھی دیکھ نہیں ہیں۔ کہ فلان بی بی کو رسول کریم سے یہ شکایت تھی اور وہ اس وجہ سے ناراض رہتی تھیں۔ ایک قسم کا کھانا ایک قسم کا لباس خوشی ہے تو سب کو برابر صحبت ہے تو سب کو سواد سی۔ فاقہ ہو تو سب پر یکساں اگر ایک بی بی کے جھوٹے جملے نہیں ہے تو سب کے جھوٹے ہیں اندھیرا اور یہ مساوات تھی اور یہ اسطرح کی تعلیم تھی جو نہ کہی زمانہ نہ کہی اور نہ کہی کسی قوم میں پہلی۔ آنحضرت کی ادبی بیاں بڑی عمر کی تھیں بعض جوانی سے ڈھلی ہوئی بعض ادیش اور بعض بوڑھی مگر حضرت بی بی عائشہ سب میں جوان نہیں اسہوئی آپ نے یکساں برتاؤ کر کے

بتا دیا کہ خاندانوں کو اپنی مختلف العمری ہوں کے ساتھ کٹھن سادات رکھنی چاہئے اگر آپ بھی مثل حضرت مسیح کے فرضی کنواریوں کے نہ کرے کرتے رہتے اور وہ دولہنوں سے مشابہت دیتے رہتے اور عورتوں کی معاشرت میں کوئی عملی اصلاح نہ کرے تو کیا کیفیت ہوتی اھ عورتوں کی اس تکلیف کا کھتہ بہو جانی نہ انہیں حقوق ملتے نہ ان کی عزت کی جاتی نہ ان پر رحم کیا جاتا وہ اس طرح مردوں کی خواہشوں کی شکا ہوئیں اور ان کا دوسرے ڈھونڈے سے بھی نہ ملتا۔ اچھ نہ لکھا اس وقت تک کہ مردوں عورتیں ان حقوق سے فیضیاب ہو چکیں اور مردوں فیضیاب ہو رہی ہیں۔ یہ اسی معاشرت کا ہر دوسرے جیسے نام مذہب دیدہ دہن اعتراض کر رہے ہیں۔

سانو!ں مخربہ چند پر میرے مجھ میں وحی نازل ہوتی تھی یا آنحضرت نے میرے زانو پر رکھ کے وفات پائی یا آنحضرت میرے گھر میں مدفون ہوئے وغیرہ خمسہ۔ وحی کا حضرت بی بی عائشہ کے گھر میں آنا وہی معنی رکھتا ہے جو ہم نے غارِ ثبوت کے بیان کئے ہیں حضرت جبریل یا روح القدس وحی لاتے تھے جس سے پایا جاتا ہے کہ آپ کی مبارک زندگی کا ایک لمحہ بھی تعلیم و تلقین سے خالی نہ ہوتا تھا۔ بی بی عائشہ کے گھر میں چلے بجائے اس کے کہ آپ آرام کر سکتے مگر نہیں وہاں ہی لو اپنے معبود سے لگی رہتی تھی اور نے بحقیقت آپ کا کوئی لغزش یا دھندلاہٹ اور صلاح نئی نوع سے خالی نہ تھا ایک عیسائی کے اعتراض میں لفظ کہی کہ موجود ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ آپ کے گھر میں وحی نازل نہ ہوتی تھی اس میں ہی ایک عجیب بات پائی جاتی ہے اگر ہمیشہ نازل ہوتی تو ایک عادت خیال کی جاتی اور جب کسی کہی نازل ہوتی تو اس سے بخوبی یہ سمجھیں آتا ہے کہ آپ کے دل میں بتائی جذبوں کا اہرام اور آپ کے منور قلب سے وحی کا فوارہ اچھلا کسی خاص نہ تھا ہی کے وقت منور نہ تھا بلکہ دنیا کے گھرے تعلق کے وقت بھی آپ کے مبارک قلب کی وہی کیفیت تھی جو نہ تھا ہی میں ہو سکتی تھی خاص جو یہی کہ کیا سفر تھے وہ مقام اور وہ شخص جس سے جو مقام تعلق رکھتا ہے وحی نازل ہونے پر جتنا مخربہ کرے بجائے۔ اسی طرح وفات کے وقت حضرت بی بی عائشہ کے زانو پر سر رکھنے کے یہ معنی ہیں تاکہ مسلمان سمجھ لیں کہ عورتوں کا پاس رکھنا آپ کتنا فرما تے تھے اور آپ کو اس کائنات کی ماں سے کس بلای کی محبت تھی۔ بیشک جس طرح حضرت بی بی عائشہ کو ان باتوں پر فخر ہی اسی طرح تمام دنیا کے مسلمانوں کو فخر ہے کہ ہمارے رسول کریم نے متعدد نکاح کر کے تعلقات زن و شو کی کہی بھی لکھو کیونکہ یہی

یہ ساری باتیں جو بیان ہوئی ہیں ان میں سے بہت سی حشر کتاہوں میں نہیں ہیں جن مسلمان مورخین نے ان روایات کو نقل کیا ہے وہ مسلمانوں کے ہاں قابل اعتناء نہیں ہیں یہ صحیح ہے کہ حضرت بی بی عائشہ سے بکثرت حدیثیں منقول ہیں اور زیادہ تر ان میں وہ حدیثیں ہیں جو عورتوں کی راہروا مذہب معاشرت سے خلق رکھتی ہیں مثلاً جب عبداللہ بن عمر نے عورتوں کو سر کھول کے نہانے کا حکم دیا تو حضرت بی بی عائشہ بہت ہی ناراض ہوئیں اور فرمایا کہ عبداللہ یہ کیوں نہیں فتویٰ دیتا کہ عورتیں سر ہی منڈوا ڈالیں۔ اس قسم کی اصلاح عورتوں کی خاص معاشرت میں آپ نے بہت سی فرمائی ہیں۔ حضور انور کی اور ازواج پاک سے بھی بہت سی

حدیثیں منقول ہیں مگر ان حدیثوں کی تعداد سب میں زیادہ نہیں ہوتی ہے جو آپ نے روایت فرمائی ہیں مگر یہ بات سمجھنے کی ہے کہ ہمارے علمائے نقل ان روایتوں کو تسلیم نہیں کر لیا ہے جو حضرت بی بی عائشہؓ کی طرف منسوب ہیں مثلاً معراج کے بارے میں اس خاتونِ اُم المؤمنین کا یہ مذہب ہے کہ پیغمبرؐ کو روحانی معراج ہوئی مگر اور علماء اس روایت کے خلاف گئے ہیں اور انہوں نے معراج کو بجائے روحانی کے جسمانی مانا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ضرور نہیں کہ جو روایتیں آپ کے نام کے ساتھ منسوب کی جاتی ہیں فی بحقیقت وہ سب آپ ہی کی روایت سے ہوں جبکہ لاکھوں اقوال کی نسبت رسول کریمؐ کی اطراف واقعہ سنات سے دیدی گئی تویہ تو بڑی بڑی بات تھی کہ آپ کی از پیچ پاک سے ہزاروں روایتوں کی نسبت مذہبی جاتی۔ ہر آدمی کا حدیث کے موضوع کر کے وقت فرض تھا کہ وہ کسی بڑے شخص کا نام لے اور اپنے موضوعی قول کو اس کی نسبت دے تاکہ مستفاد لے اہم ہر اعتبار کریں اور انہیں اس کے یقین کر کے میں کچھ تامل نہ ہو۔

حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے چونکہ سیاسی معاملات میں بہت براہِ راستہ لیا ہے اسلئے آپ کی نسبت برائیت اور ازواج پاک کے بہت ہی زیادہ ہو گئی تھی یہی وجہ ہے کہ اکثر اقوال کی آپ کے نام کے ساتھ نسبت دی گئی ہے۔ اکثر آپ پر سنئے الزام قایم کئے گئے ہیں حتیٰ کہ آپ کو رسول کریمؐ کا بچا دشمن بننے کے دکھایا گیا ہے (معاذ اللہ) وہ اقوال جو سینوں کی کتابوں میں آپ کے نام سے مرقوم ہیں ان اقوال سے بہت ہی کم وجہ کے ہیں جو شیعوں کی کتابوں میں آپ کے سر چسپکے گئے ہیں۔ بہر حال آپ کی کتب میں ان میں ہی صدا بلکہ نہرا اقوال آپ کے نقل ہیں مگر صداقت کی بحث ہی کم اقوال پر چسپائی ہے جبکہ آپ کو اُم المؤمنین کا فخر حاصل ہوا ہے اور جب تک آپ کی وفات ہوئی ہے روایتوں۔ الزاموں۔ اتہاموں۔ اور ناروا طوافانوں کا ایک دیا ہے جو ہمیں مارا ہے اور ایک انبار ہے جو کتابوں میں بھرا ہوا ہے۔ اس طوفان بے تمیزی سے پہلو بچانا اور اس لایعنی انبار میں سے صحیح صحیح باتوں کا انتخاب کرنا حقیقت میں بہت بڑا کام رکھتا ہے جیسا کہ شریعتین کو توان الزامات کی ہوا بھی نہیں لگی ہے جو اس اُم المؤمنین پر مسلمانوں ہی کے ایک فرقے نے قایم کئے ہیں۔ وہ روایتیں کہ خود رسول کریمؐ کے زمانہ میں آپ پر تمت لگائی گئی اور آپ کا نافہ قافلہ سے بھٹک کے ذریعہ رہ گیا تھا اور پھر آپ کی نظم کی نسبت دہی نازل ہوئی ایک عجیب بے معنی قیاس ہے جسے بلا وجوہات سینوں کی معتبر کتابوں سے بھی تسلیم کر لیا ہے۔ نہ آپ کبھی قافلہ کے پیچہ رہ گئیں نہ آپ پر رسول کریمؐ کے سامنے کوئی تمت لگائی گئی نہ آپ کی نظم کی نسبت کوئی دہی نازل ہوئی یہ ساری باتیں بعد ازاں تراشی گئی ہیں اور انہیں فی حقیقت صداقت سے کوئی تعلق نہیں ہے ہم ان روایتوں پر جب بالتفصیل بحث کریں گے اور انہیں نفس صداقت کی محاک پر کھٹکے پھر کہیں گے تو معلوم ہوجائے کہ حقیقت سے ان کو کچھ ہی تعلق نہیں ہے اور یہ ساری شرمناک باتیں صرف اس مخالفتِ فرقہ کے سامعاندہ خبیلات کا نتیجہ ہیں جو مسلمانوں میں خلیفہ ثالث کے وقت سے پیدا ہو گیا تھا اور اسی نے ان مصنوعی روایات کی اس قدر شہرت دی کہ وہ دوسرے دلائل تک پہنچ گئیں اور عام طور پر سب کو اس کا یقین ہوئے لگا۔ اگر قرآن مجید بہت سی دلیلیں

کی تلمذ یہ نہ کرتا تو اسلام میں اسی خرابی پیدا ہو جاتی اور پھر یہ مداخلت کا بھل کھج مل سکتا۔ حضرت نبی کریم کی مثل اور ازواج پاک کے خانگی زندگی نہ تھی کہ ان کے حالات قلمبند نہ ہوتے۔ اور بہت سی جھوٹی باتیں اُن کے نام سے نہ مشہور ہوتیں۔ جتنے مشہور لوگ ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ مذہبی بھی ہوں ان کے نام سے ہزاروں قبل ایجاد ہو گئے۔ اسی ہزاروں باتیں موضوع کر لی گئیں جنہیں صداقت سے کچھ بھی سروکار نہیں ہے مثلاً لاکھوں حدیثیں حضور انور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے شہرت پائیں اگرچہ بعد ازاں ان کی تحقیق و تدقیق بے انتہا کی گئی لیکن بہرہی بہت سی دعائیں ایسی باقی رہ گئیں جنکا کسی طرح بھی اعتبار نہیں ہو سکتا۔ ابتدائی سین چھری میں خلفا کا باہم جھگڑا نہ گروہوں کا پیدا ہونا اور ان میں شش ہونی روایتوں کے موضوع ہوئی کا فی نہایت سہولتی ہے۔ ہزاروں اقوال جو حضرت ابو بکر صدیق کے نام سے بیان کئے جاتے ہیں فی حقیقت ان کے نہیں ہیں اس طرح نئے نئے اقوال کی ہر خلیفہ اور ام المومنین کے نام سے نسبت دی گئی ہے جسے انہیں واقعی کچھ بھی سروکار نہیں تھا۔ صدیوں تک کھائیتوں کا طوفان بے تیزی برپا ہے اور صداقت پر موضوع اقوال مثل ایک جال کے پیچھے ہوتے ہیں ایک محقق کے لئے صداقت کو اس جال میں سے نکال لینا اگر ممکن نہیں ہے محال تو ضرور ہے۔

ان جوئی روایتوں کی ایجاد کا باعث دراصل وہ خانہ جنگیاں یا ملکی لڑائیاں ہوتی ہیں جو آخر سین چھری میں بدقسمتی سے مسلمانوں میں پھیل گئی تھیں اور جنکا سلسلہ دراز عرصہ تک رہا۔ اگرچہ زمانہ نے ان لڑائیوں کا خاتمہ کر دیا ہے مگر جوئی جنگ کہ ایسی خانہ جنگیوں سے فطرتاً پیدا ہو سکتے ہیں وہ مسلمانوں تک محدود حاصل ہیں۔ اور صدیوں فاران کے خون میں ایسا آمیزہ ہو گیا ہے کہ نسلوں پر نسلیں گزری چلی جاتی ہیں مگر اس اثر میں کچھ کمی نہیں آتی۔ اگرچہ اس نہر پر اختلاف میں ہی اسلام کا سحر باقی ہے یعنی سب فکر و توجہ پڑھتے ہیں محمد علی صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں اور اسلام کے دل سے بیروہیں مگر پھر بھی اس خطرناک اختلاف نے نہ صرف اخلاقی حالت پر بڑا اثر کیا ہے بلکہ دنیاوی معاشرت پر بھی کچھ اچھا اثر نہیں کیا۔ یہ مخالفت جو اس وقت ہو رہی ہے یہ صرف ان اختلافی روایات کی خرابی ہے جو اسلام کے عظیم گروہوں میں لاکھوں پائی جاتی ہیں۔ ان اختلافی روایتوں نے قرآن مجید کے معنی پر بھی اثر ڈالا اور مجبوراً اس کی آیتوں کو ان ہی جوئی روایات کا جامہ پہنایا گیا جو مسلمانوں کو بطور وحدہ پہنچی تھیں اس لئے اکثر تقاسیم ہیں وہ وہ واقعے بیان ہوئے ہیں کہ جن کا نہ کبھی ظہور ہوا۔ اور ہوسکتا ہی اور نہ ملے کچھ اصل ہے۔ پہلا کجا شام کجا چین اور کجا ایک دفت کا وجود اور کجا اس کی شاخوں کا چین جاکے گرتا یہ ایسی باتیں ہیں جن میں محض مشرقی مذاہن کا رنگ پایا جاتا ہے۔ اسلام آئیں یا حضرت کی بیاض کو ان ہیودہ باتوں اور بیانی لطیفوں سے کچھ بھی سروکار نہیں۔

یہی وجہ بہت بڑی ہے کہ ہمیں بہت سی روایتوں کی اگرچہ وہ مشہور ہوتے ہوتے تو اتنا کچھ پہنچ گئی ہیں تلمذ یہ کرتی پڑی ہے۔ ادھم خیال کرتے ہیں کہ ہمارا یہ جدید مٹم کا استدلال آئندہ نسلوں کے لئے مفید ثابت

ہو گا۔ تاہم میں ہزاروں واقعات بہرے پڑے ہیں جہاں یہ کام نہیں ہے کہ ہم انکمیں بند کر کے ان کو نکال دیا کریں۔ امید تحقیق نہ کریں گا یا جو واقعہ بیان ہوا ہے اس کا تطابق ہی اس زمانہ کی معاشرت سے ہو سکتا ہے۔ آج اس کی نسبت مذکور ہوا ہے اس پر پتہ بھی ہے یا نہیں اور اس کی معاشرت اس کی شان اور اس کی وضع کے کہاں تک مخالف ہے اور کہاں تک موافق ہے۔ اس کا رادہ ہی کون ہے آیا وہ کسی ہوئی لگتا ہے یا چمکتا ہے بیان کرتا ہے اگر کسی ہوئی لگتا ہے تو اس نے کس شخص سے سنا اور آیا جس شخص نے اس سے بیان کیا اس نے بھی انکھوں سے دیکھا ہے یا وہ بھی کسی سنائی گستاخ اور اگر لکھنے والا چمکتا ہے واقعات لکھ رہا ہے تو یہ دیکھنا فرض ہے کہ وہ کس کی تائید اور کس کی مخالفت میں ہو اور جو واقعات اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں ان سے نتیجہ نکالے ہیں تو اس نے وہو کا نہیں کہا یا عرض جب تک ایسی اور ان جیسی بہت سی باتوں کا نہ خیال کر لیا جائے گا کہ کسی مختلف ذرائعوں میں سے خواہ ہمعصر موزوں کی ہوں یا بعد کی صحیح واقعات کا انتخاب نہیں ہو سکتا۔ کون ہے جو یہ عرق ریزی کو کے واقعات کا انتخاب کرتا ہے اور کون ہے جس نے انھیں کبھی کسی جاں کا ہی کی ہے۔

ہم نے جو اصول واقعات کے جانچنے کے اور پر لکھنے ہیں انشاء اللہ ہم ان پر کاربند ہونے کی کوشش کریں گے اور جتنے الامکان انہیں نبھائیں گے۔ خدا ہمارے مدد کرے اور اس کا ہاتھ ہمارے ساتھ کام کرے۔

ہم سے پہلے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے شہرناک واقعہ کو اپنے اصول معارفہ سے جانچ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ یہ کہاں تک صحیح ہے۔ زیادہ غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ کوئی ہمعصر شہادت میں واقعہ کی نہیں ہے کہ آپ کا روانہ سے پیچھے رو گئی تھیں اور اس وجہ سے آپ کچھ شبہ ہوا تھا۔ اور اگر فرض کریں کہ اس واقعہ کی کوئی ہمعصر شہادت ہے ہی تو وہ اس وقت قبلین نہیں ہوئی تھی بلکہ تیسری صدی ہجری کے آغاز میں یہ واقعہ تحریر میں آیا۔ اور جس وقت یہ واقعہ لکھا گیا وہ زمانہ الماسوں کی سلطنت کا تھا جو معتزلی تھا اور اسے اس جیسے واقعہ کے لکھے جانے کی زیادہ پروا نہیں تھی۔ اگرچہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ لکھنے والوں نے بنیبت کہنے والوں کے محض نیک نیتی سے قبلین کیا اور ان کی نیک نیتی اسی سے جیسا ہے کہ انہوں نے ساتھ ہی اپنے نظریہ کو بھی قبلین کر دیا جو اس الزام کے غلط ہونے پر آسمان سے نازل ہوئی تھی بہرحقی وہ انسانی مجبوری کی وجہ سے اس غلطی سے نہیں بچ سکے جو بحیثیت انسان ہونے کے انہیں لازمی تھی اور اس سے بچنا کیسے ہی ممکن تھا۔ یعنی انہیں تحقیق کے سخت مراحل درپیش تھے اور بنیبت ہمارے انہیں خدا دہر زیادہ مشکلات کا سامنا تھا۔ ان پر سلطنت کا بھی کچھ بوجھ ہوا تھا۔ انہیں لاکھوں غلط روایتوں میں سے صحیح روایات کا انتخاب کرنا تھا۔ انہیں لوگوں کے خیالات اور محسوسات کو بھی مد نظر رکھنا تھا۔ انہیں عامہ خلافت کے اعتقادات پر بھی پوری نظر کرنی تھی اور ان سب مشکلات پہ ایک بہ نعل انہیں درپیش تھی کہ کوئی میاں بھی تک میم اور فہم

روایت کے جانچنے کی ان کے پاس نہ تھی پہرچی جو کچھ انہوں نے کیا وہ معمولی انسان کی طاقت سے باہر کیا اور ایسا کیا جس کی زمانہ تابقاے اسلام یعنی قیامت داد دے گا چوں کہ وہ اسلامی اصول کی مطابق معصوم نہ تھے اس لئے ممکن ہے کہ ان سے کہیں اغلا و بیگمی ہوں اور وہ انسانی غیور سی کی وجہ سے اس فرورگشت میں شریک ہوئے ہوں جس میں اگر وہ واقف ہوئے تو کسی بھی نہ پڑتے۔

منجملہ اور واقعات کے جن میں قطعی فرورگشت ہوئی حضرت صدیقہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے عقل باور نہیں کرتی کہ جو الزام آپ پر لگایا جاتا ہے وہ بنی اور آپ کی نبوت اور ہر آم المؤمنین کی حالت پر چسپا ہو۔ جب نظر غور سے دیکھا جاتا ہے تو یہ الزام اگرچہ ظاہر طور پر حضرت بی بی عائشہ پر لگایا جاتا ہے مگر صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی شیرے میں کیوں کہ حضرت صدیقہ نے کوئی جرم نہیں کیا تھا کوئی نافرمانی نہیں کی بلکہ اتفاق سے ان کا اونٹ پیچھے رہ گیا تھا صرف اونٹ کے پیچھے رہ جانے سے کسی کیا حق تھا جو آپ کی طرف بدگمانی کرنا اور خیال میں بھی کوئی برائی نتیجہ پیدا کرنا جبکہ کسی نے کوئی شکایت نہیں کی تھی کسی نے کوئی عینی شہادت نہیں دی تھی پہر کیوں اور کس وجہ سے ایسا ہوا کہ محمد علی صلی اللہ علیہ وسلم جیسا جلیل القدر نبی شہر کرنے لگے اور شب بھی ایسا کہ دونوں بات نہ کرے اور سخت متروک رہیں اپنے صحابہ سے مشورہ کرے کہ کیا کروں کہیں بی بی عائشہ سے یہ کہے کہ تم تو بہرہ و چہرہ معلوم ہو گیا کہ یہ ساری باتیں گھڑی ہوئی ہیں اور انہیں حقیقت سے کچھ سی عقل نہیں ہے۔

اسی واقعہ کا ایک اور پہلو بھی غور کرنے کا ہے عرب میں شل ہندوستان کے پرودہ نہیں تھا اور عرب کی یہ معاشرت کے خلاف تھا کہ کوئی عورت کسی مرد کے ساتھ کسی کام کو کہیں جلی جائے تو اس پر شہہ کیا جائے۔ مردوں کی حالت مثل مردوں کے آزاد تھی خواہ ان سے بناؤ کیا ہی ہوتا تھا مگر وہ مردوں کے پہلو پہلو ہر جنگ میں جاتی تھیں۔ اپنے خاوندوں بہائیوں اور باپ کے علاوہ کنبہ کے اور مردوں کے ساتھ بھی سفر کرتی تھیں مگر بدگمانی کا خیال بھی کسی کے دل میں نہ آتا تھا مثلاً جب مشکین عرب بچے درپے مدینہ پر حملے کئے ہیں تو مشکین عرب کی عورتیں برابر فوج کے ساتھ آتی تھیں اور وہ بجا بجا کے اپنے سپاہیوں کو جنگ کا جوش دے رہی تھیں۔ عربوں کی اس معاشرت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے ہاں عورتیں مردوں پہلو پہلو کام کرتی تھیں اور کوئی شبہ کرنے والا نہ تھا حضرت بی بی خدیجہ الکبریٰ کا قبل از کلاخ بنی معصوم غیر مرد کے تجارت کے معاملات طے کرنے اور آزادی سے کل کاموں کو انجام دینا اس امر کی کافی شہادت ہے کہ معمولی لہجہ دین اور مدد و رفت میں ان کے ہاں شبہ کرنا کوئی طریقہ نہ تھا۔ ابو لہب کی بی بی کا لڑکیاں لینے کے لئے تنہا نکل میں جانا اور رستی میں پھنسنے کہ جانا عورتوں کی آزادی کے یک واقعات پر سے شاہد ہیں بسطیعہ اگر حضرت عائشہ پیچھے رہ گئیں اور بسبب ہشاک جانے کے کچھ عرصہ تک پہنچ سکیں تو یہ عربوں کی آزادانہ معاشرت اور بیکم کے بموجب اعتراض اور شبہ کی جگہ نہ تھی۔ جب یہ ساری باتیں ایسی بیسی ہیں چھہ کیوں کہ سمجھ میں

اسکات ہے کہ معمولی بات پر ایک جلیل القدر پیغمبر کرنا اور کئی دن تک خود ہی پریشان رہتا اور اپنے صحابہ و پیرو
پارسی بی بی کو بھی پریشان رکھتا۔ ایسے ہی وہ مشہور کی اسلام میں کوئی بھی وقت نہیں ہے تا مگر متواتر و یکنوا
واقعات جو صحابہ راشدین کے سامنے گزرے اور انہوں نے ایسے امور میں فیصلہ کیا اس کی خاص دلیل
ہیں کہ ہلام نے اس قسم کی شہادت کو کبھی وقت کی نظر سے نہیں دیکھا حضرت فاروق عظیم کے زمانہ خلافت میں
ایک صورت پر نا کا لازم لگایا گیا اور جو شہادتیں برہنہ ہونے وغیرہ کی گزریں ان سے بظاہر کالی ثبوت و قطع حکم کا
ہو سکتا تھا مگر یکہ کوئی شہادت واقع فعل کے متعلق نہ تھی آپ نے عورت و مرد کو بری کر دیا اور فی الحقیقت
انصاف یہی ہی چاہتا تھا جب یہاں تک معاملات کی چھان بین ہوتی تھی تو ہلکا بخیال میں اسکا تھوکا قافلہ
سے جنگے پیچھے جہانے پر نہیں کیا گیا ہو اور خواہ مخواہ ایک فرضی معاملہ کو اس قدر طول دیا گیا ہو۔ یہ الزام اور اس
قسم کے بہت سے الزام محض معاملات سیاسی کی کشش اور غانہ جنگیوں سے بنائے گئے ہیں ورنہ ایسی
بانوں کی کوئی وجہ نہیں دکھائی دیتی۔

حضرت بی بی عائشہ کے سوا خ عمری پر اگر ایک گہری نظر ڈالی جائے اور ان الزامات کو ہی قبول کر لیا جائے
جو آپ پر قائم کئے گئے ہیں پہری آپ کی غیر معمولی فہمائے قابلیت اور انتظامی و جنگی لیاقت میں کسی کو بھی مشہ
نہیں ہے اور یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ صرف آپ ہی کی طویل سے ہزاروں ایسے مسائل کا کھجور ملتا ہے جو قبول
کے متعلق ہیں اور ایسے سائل کا سمجھنا ایک مرد کے لئے کسی طرح بھی ممکن نہ تھا جس طرح دنیاوی معاشرت
اور تمدن کے بارے میں مردوں کو اصلاح کی بہت ضرورت تھی اسی طرح عورتوں کو بھی اس کی از حد حاجت تھی
اور بغیر اس کے ہانکی کے مسائل کبھی سمجھی میں نہ آ سکتے تھے جب تک آپ زندہ ہیں آپ نے بہت کچھ مسائل
جو رسول کریم سے آپ کو معلوم ہو چکے تھے بیان فرمائے اور ملکی معاملات میں ہی آپ نے پورا حصہ لیا مانگے
ہمیشہ امیر معاویہ کے مقابل میں حضرت امام حسین شہید کر بلا کی بڑی سرگرمی سے تائید فرمائی اور آپ دودو
امیر معاویہ سے حسین کے بارے میں لڑی ہیں چنانچہ جب امیر معاویہ مدینہ آئے تئیں اور ایک جلسہ کیا ہے
نو ذراں حضرت امام حسین کو بلایا تھا۔ اوہر آدمی کی باتیں کر کے اپنے بیٹے زید کی خلافت کا ذکر کھڑا اور حضرت امام
حسین سے درخواست کی کہ آپ اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں آپ نے انکار کیا اور منہ شامی سپاہی جو امیر معاویہ کو
جہاز شام سے آئے تھے اس انکار پر ہڑک اٹھے اور انہوں نے تلواریں نکال لیں امیر معاویہ نے پیٹیکے
سپاہیوں کو ڈانٹا کہ خبردار تلوار نہ نکالنا حضرت امام حسین فہیدہ شخص میں سچ سمجھ کے رہتی ہو جا ہیں گے۔

چنانچہ اخیر میں حضرت امام حسین نے بیعت کی مرضی ظاہر فرمائی۔ اس جلسہ کی خبر فوراً حضرت عائشہ کو ہوئی اور
آپ کو یہی معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین کی جناب میں شامیوں نے گستاخی کی آپ یہ سن کے مادے خندہ کے
کانپ گئیں اور کئی عورتوں کو ساتھ لے کے سب نبوی میں آئیں اور امیر معاویہ کو طلب کیا۔ وہ فوراً آئے حدیث
دیکھتے ہی بہت ہی لکھارا اور فوراً تلوار نکال کے کہا میں نے سنا ہے کہ تو نبی مصدوم و مرتضیٰ کے زنا سے

اس طرح پیش آیا ہے تو نہیں جانتا کہ میں زندہ ہوں میری ساری امیری کو خاک میں ملا دو گئی یہ سن کر معاویہ نے بادب عرض کیا اے اُمّ المؤمنین کسی نے آپ کو غلط خبر دی نہ میں نے حضرت امام حسین کی یہی گستاخی کی نہیں کر سکتا تھا یہ بیشک ہوا کہ جن غیر محتاط شامیوں نے بیعت کے انکار پر تلوا نکال لی تھی اس لئے یہ خبر اُٹھی ہے حالانکہ میں نے انہیں ڈانٹ دیا حضرت اُمّ المؤمنین نے فرمایا کہ زبردستی بیعت لینے کا تجھے کوئی حق حاصل نہیں ہے تو جان اگر بہر کوئی ایسی بات ہوئی تو ذی خیر نہ سمجھو۔

یہ تھا خدا یا نہ عشق جو آپ اہلبیت سے رکھتی تھیں اور یہی سہاویا نہ روح جو آپ میں اول روز سے دو بیعت ہوئی تھی۔ آپ کے بے جلال اقوال اور آپ کے زبردست کلمے ہی تک موجود ہیں جنگ جمل میں جب بڑا گھسان کا میدان ہو چکا تو حضرت علیؑ نے آپ کے پاس سہمائے کیلئے بیجا پہنچا وہ آئے اور انہوں نے کجاوے پر ماتھہ رکھ کے پاس آئے کچر کستا چاہتا تھا آپ چونکہ پردہ میں تشریف رکھتے تھے اس لئے بہائی کی صورت نہیں دیکھی نہایت دلیری سے بولیں یہ کون ہے جو یہاں تک ماتھہ لے آیا ہے حالانکہ سوائے نبی مصدوم کسی کا ماتھہ کسی میری طرف نہیں بڑھا ہے میں تلوار سے اُڑاتی ہوں نہیں ماتھہ کو ہٹا لے یہ سن کے آپ کے بہائی نے کہا میں میں ہوں تم علیؑ کا ایک پیغام کہنے آیا ہوں یہ آپ نے پاس ہٹا لے وہ پیغام سنا۔ السدا کہ جس خاتون کا یہ دبدبہ اور جلال ہے۔ اس کی نسبت شبہ کرنا اور بلا وجہ اس شبہ کو یقین کا جامہ پہنانا عقل اور انصاف سے کس درجہ بعید ہے۔

آپ کے آگے آنے والی مختصر سوانح عمری سے پوری کیفیت کھل جائے گی کہ آپ کیا نہیں اور آپ نے اپنی زندگی میں کیا کیا۔ بغیر سوچے سمجھے ایک ایسے واقعہ پر اسے قایم کر دینی جسے تیرہ سو برس گزر چکے ہوں اور پھر اپنی رائے کو صحیح سمجھ کے اس سے نتیجہ نکال لینا۔ غصیدہ اشخاص کا کام نہیں ہوتا۔ جتنے اعتراضات اسلام کا ایک فریق حضرت بنی عائشہ پر کر چکا ہے وہ ہمارے پیش نظر ہیں اور جتنی شکستہ چینیاں کہ نوید اعیانہ اور آریوں نے کی ہیں انہیں ہی ہم نے نظر انداز نہیں کیا ہے۔ خوب غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ کتنا اعتراضوں کی بنیاد تقلید۔ ناواقفیت اور موردی عداوت ہے۔ ورنہ ایک واقعہ بھی ایسا نہیں معلوم ہوتا جو نچا ہوا اور اصول تاریخ سے اس کا ثبوت ہوتا ہو اور صداقت کی چمک پر گھسنے کے بعد وہ کھڑا رہتا ہو۔ ہلائی فریق نے اگر کچھ اعتراض کئے تھے تو وہ محض کشیدگی کی بنا پر مگر عیسائیوں اور آریوں کے نوید گروہوں کے جو محنتہ چینیاں کی ہیں بلکہ بعض تو تہذیب ہی سے مراد ہو گئے اور انہوں نے وہ گالیاں سنائیں کہ الفتنہ لستہ مجہد میں نہیں آتا کہ ازواج پاک سے انہیں کاہے کی دشمنی ہو گئی اور انہوں نے ناحق بیٹھے بیٹھے کیوں اپنا نامہ اعمال سیاہ کیا۔ تین میں نہ تیرہ میں شل لوند کے حنیفے کبچ میں آکھو دے۔ ہاں اگر حضرت بنی مہریم کی شان میں گستاخی کی جاتی اور یہودیوں کے اقوال بیان کئے جاتے اور منہ دل کی دیمبوں پر بڑے باہمی ہوتی یا ان سے کوئی سیاسی تعلق رہتا اور مثل جنگ جمل وغیرہ کے کشاہنی ہوتی ہوئی تو تو ایک بات ہی تھی

مگر جب ان میں سے کوئی بات نہیں ہے تو ہم محض ذاتی جراثیم کے اور کیا خیال کیا جاسکتا ہے۔ خوب سمجھ لیا جائے کہ کوئی مذہب دنیا میں ایسا نہیں ہے جس میں ہزاروں اس قسم کی روایتیں نہ ہوں کہ انہیں ہر شخص اپنے ہمدردی کے بہت کچھ اعتراضات نہ کر سکے کسی شخص کی عالم بالا پرورش نہیں ہوتی ہے سب اسی دنیا کے ہنر والے ہیں سکے کے ساتھ فروگزشت اور کمزوری لگی ہوتی ہے اور جب کے ساتھ مرتے دم تک ضرورتوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا پھر کتنی حماقت ہے کہ اپنے گریبان میں منہ نوڑا لاجائے اور دوسروں کو گالیاں دی جائیں۔ ہمارا شیوہ نہیں ہے کہ ہم نالایم الفاظ زبان سے نکالیں یا الزامی جواب دیئے بیٹھ جائیں بلکہ ہمیں بہت ہی صبر ہے ان گالیوں کو سنا جاتا ہے اور گالیاں دینے والے کی حالت پر خسوس کرنا چاہئے کہ وہ کس تاریکی میں مبتلا ہے اور اس کی اخلاقی حالت حالانکہ وہ اشرف المخلوقات ہے کس دھیر روی ہو گئی ہے جو گالی کا جواب گالی بہت آسان ہے کون گالی دینا نہیں جانتا اور کس کو میر کا جواب سوا سیرا دینا ہے جواب پتھر دیتا نہیں آنا گلوں قسم کے ترکیب کی جو اصل کچھ خوبی کی بات نہیں ہیں انسان کی عین شرافت یہ ہے کہ وہ ایسے شخصوں کے حق میں رب الافواج کی عالی بارگاہ میں دعا کرے اور کبھی اس قسم کی گالیوں سے آزر و نہ اور خوب یقین کرے کہ آفتاب کی کرنیں سیلا دھتے لگانے سے سیلی نہیں ہوا کرتیں۔ اگر ایک دریا میں سخت گتے پانی پی لیں اور چند سو اس میں منہ ڈالیں تو وہ دریانا پاک نہیں ہو جائے گا جس کی شان میں گستاخی کی گئی ہے اور جن اہمات المؤمنین کو گالیاں دی گئی ہیں ان کی شان ان گالیوں اور الزاموں سے بہت ہی ارفع ہے ان پر سر جو کھائے والے کروڑوں سو جو رہیں اور ان کی تعداد دروزہ دروزہ بڑھتی جاتی ہے۔ ان گالیوں کے انکے مرتد ہیں کچھ فرق نہیں آسکتا جب کہ تیرہ سو برس سے برابر گالیاں دی جا رہی ہیں ان کا نتیجہ نہیں نکلا تو ان نو پیدا عیسائیوں اور تارکوں کی گالیوں سے کیا نیچہ ہو گا سوائے اس کے کہ اخلاقی سچی اور اخلاق ہنر کا فن معلوم ہو جائے گا اور بس۔

ہمارا فرض ہے کہ اس دیرینہ غلط فہمی کو مٹائیں جو اسلام کے دونوں فروع میں پڑ گئی ہے اور فریقین اسے صحیح سمجھ بیٹھے ہیں۔ یہ محض غلط ہے کہ حضور انور رسول کریم کی ازواج پاک میں کچھ شش ہی بعض غلط کردہ ایک دوسری کے خلیق پر بنیاد ہوتی تھیں بعض غلط ہے کہ آپ نے کوئی رائے کی بات نہ کی کسی بی بی سے کسی اور اس نے ظاہر کر دی بعض غلط ہے کہ آپ نے کسی کو طلاق دینے کا محض بڑا پے کی وجہ سے ارادہ کیا ہو بعض غلط ہے کہ حضرت بی بی عائشہ پر الزام لگا ہوا وہ آپ کو ان کی نسبت شبہ ہوا ہو بعض غلط ہے کہ حضرت بی بی عائشہ حضرت علی سے اپنی قدیمی دشمنی کی بنا پر لڑی ہوں اور آپ کو اہلبیت سے کچھ عداوت ہو۔ ان کا اور اس قسم کی اور باتوں کا ہرگز ثبوت نہیں ہوتا اگرچہ تاریخوں میں اور فریقین کی معترکہ کتابوں میں وجہ ضرور ہیں مگر ان کے اختلاف سے صاف پایا جاتا ہے کہ ان میں صداقت کا مادہ مطلق نہیں ہے اب ہم محض طور پر حضرت بی بی عائشہ کے سوانح عمری لکھتے ہیں اور ساتھ ساتھ ہم ان الزامات کا بھی جواب دیتے ہیں

جو مستحقوں نے آپ پر کئے ہیں۔

آپ کی سات سال کی عمر ہی جب آپ کا نالغی حضور انور سے ہوا اور تین سال کے بعد آپ اپنے گھر سے رخصت ہو کر حضور انور کے ہاں چلی آئی تھیں۔ آپ کے زندگی کے واقعات کچھ عجیب و غریب ہیں جو کچھ تعلقات آپ کے ساتھ حضور انور کو تھے وہ ایسے بڑی ہیں کہ ان سے کس طرح بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ جو کچھ آپ کو رسول کریم کے گھر میں ملی تھی اس کا بیچہ بعد ازاں امت نے دیکھا آپ کی فقیہانہ قابلیت اور عالی دماغی سے کوئی انکار نہیں کر سکتا جو کچھ زندگی تک آپ نے کیا وہ اسلام میں بڑی ہی وقعت کی نظر دیکھا جاتا ہے۔ آپ نے عورتوں کی معاشرت میں ایک بڑی بہاری اصلاح کی اور صحابہ کو بہت ہی غلط فہمیوں سے جو عورتوں کی متعلق پڑ گئی تھیں بچا لیا۔ اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ جو کچھ آپ کو حضور انور کی احادیث پر عبور تھا اور کسی کو کم ہو سکتا ہے آپ کی صداقت اور استباضی کی اور اسے شہادت یہ ہے کہ آپ کی پیش سب قبول کر لیتے تھے اور کسی کو بھی انکار کرنے کا مارا نہ تھا آپ کی زندگی کے واقعات نے اگرچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت سے نیا رنگ اختیار کر لیا اسی سبب ایک فریق کی آپ مورطین و شیعہ نہیں لیکن حضور انور کی زندگی ہی میں بہت سی باتیں یہی پیدا ہو گئی ہیں جنہوں نے ایک سخت غلط فہمی میں لاکھوں مخلوق خدا کو مبتلا کر رکھا ہے اور اسلامی دنیا میں اسی سے ایک عجیب الجھل پیدا ہو گئی ہے۔ واقعات جو بیان کئے جاتے ہیں ان کی بنیاد دراصل کچھ یہی نہیں ہے نہ انہیں نفس صداقت سے کچھ تعلق ہے مگر ان غلط روایات نے ایسا نہ بھی جامہ پہن لیا ہے کہ ان کو دلوں سے نسیا سمیٹا کر نا اگرچہ ناممکن تو نہیں ہے مگر محال ضرور ہے۔ ایک طرف تو یہ روایتیں بیان کی جاتی ہیں کہ حضرت عائشہ سے آنحضرت کو بہت ہی محبت تھی اور دوسری طرف یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت بی بی عائشہ آنحضرت کی جانی دشمن نہیں لیکن یہ ثابت نہیں کیا گیا ہے کہ دشمنی کے کیا اسباب تھے اور کیوں ایک بی بی جب کہ اس کا خاوند اس پر خدا ہوا اور سبب دشمنی کرے گی۔ اس دشمنی کے متعلق جتنی روایتیں ہیں وہ ایسی بے اصل اور خلاف قیاس ہیں کہ مطلق سمجھ میں نہیں آتیں اور نہیں کہلاتا کہ خیر ان باتوں کا ظہور کیوں ہوا اور آیا یہ شیعہ اور حضور انور کے سامنے ہو ہی سکتے تھے یا نہیں۔

ڈھائی پونے تین صدی تک تو یہ باتیں دہی رہیں اور کسی نے کچھ یہی نہ جانا ناں تیسری صدی کے آغاز میں جب صیحہ بخاری کی ترتیب ہوئی ہے تو کچھ گرو شیاں ہونے لگی تھیں اور کوشش کی جانے لگی تھی کہ اسکے متعلق میں مزید کچھ تصنیف کیا جائے تحریک ہوئی رہی اور اسے پورا پورا پائین کا عرصہ گزر گیا اخیر نصف صدی کے بعد ردائیں بنی شروع ہوئیں اور انہیں نہ برہمستی مخالفت کا جامہ پہنانا شروع کیا۔ مگر سلطنت ایسے خلفا کی تھی جو ایسی صیحہ غلط باتیں شائع ہونی شاید گوارا نہ کرتے اس لئے ان میں صداقت کا بھی کچھ رنگ دیا گیا اور بعد ازاں ان صیحہ اقوال کی یہی شے خراب ہوئی کہ العنایت لکھیں متفقاً وقت بتایا گیا اور کہیں بھی

کا جذبہ کیا گیا اور ہوتے ہوئے یہاں تک نوبت پہنچی کہ جتنے صحیح اقوال درج کئے گئے ہیں وہ سب فرضی ہیں یا ائمہ نے ظالموں کے ظلم کی وجہ سے ایسا کہہ دیا ورنہ میں یہ سب غلط۔

ان ہی مذہب اقوال میں سے بہت سے اقوال حضرت بی بی عائشہ کی نسبت بھی ہیں اور نہایت سختی سے بیان کیا گیا ہے کہ اگر رسول خدا کی کوئی بی بی دشمن نہ تودہ عائشہ صدیقہ تھیں بغیر انہیں ہو سکتا کہ پورے تین صدی کے بعد جب کہ ہزارہ انقلاب ہو چکے ہوں اور سچے قرآن مجید کے اور کوئی نوشتہ موجود نہ ہو کسی تسلیس بھی اس عرصہ میں کر دیکھی ہوں پھر روایوں کو جدید اقوال کہاں سے ملے اور انہوں نے ان کی صحت کی کیوں کر تصدیق کر لی۔ پھر مسلمانوں کے ایک گروہ کثیر نے کیوں ان روایوں سے اختلاف کیا اور کیوں نہیں مجبوراً انہیں تسلیم کرنا پڑا۔

جہاں تک جہاد خیال ہے یہ مخالفت کا مادہ کبھی نہ آہرنا اگر حضرت بی بی عائشہ کی روایتوں کا انضباط نہ ہوتا۔ چوں کہ آپ ملکی معاملات میں بخوبی حصہ لے چکی تھیں اور آپ کا ایک خان خانان گروہ خلیفہ ثالث کی وقت ہی سے پیدا ہو گیا تھا اسلئے وہ گروہ ابھی تک موجود تھا جب اس نے دیکھا کہ امارت نبوی کا ایک دفتر مضبوط ہو گیا ہے تو اس نے بھی ایک نئے دفتر کے انضباط کی جرات کی اور اخیر ایک بہت بڑی کتاب تصنیف کر کے ائمہ پاک کے مبارک ناموں سے اسے مرتب کیا۔ کیوں کہ پہلے دفتر میں ائمہ پاک کے اقوال یا ان کی روایتیں نہ لکھی تھیں اور بہر حال کی اس بری طبع قریب دی گئی کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو بھی یہی پسند نہ کرتے۔

ہزاروں الزامات میں جو ان ہی خطی روایتوں کے ذریعہ سے حضرت بی بی عائشہ پر لگائے ہیں مگر ان الزاموں میں سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ آپ نے ایک راز حضور انورؐ پر کیا افشا کر دیا تھا اس سے آنحضرتؐ کو بہت ہی صدمہ ہوا تھا اور آپ نے یہ راز نہ اپنی کسی بی بی سے بات چیت تک نہیں کی تھی اور اس راز کا افشا کرنے کا ذکر قرآن مجید میں بھی بصرحت آگیا ہے اور پیغمبروں نے اس راز والی آیت کے عجیب غریب معنی بیان کئے ہیں جن سے آیت کے فرض مطلب کو کچھ بھی قلع نہیں ہے۔ ہمارے قبیلہ حرم رسول کریمؐ اور حضرت بی بی حفصہ اور حضرت بی بی عائشہ کی ایک حکایت بنائی ہے اور وہ حکایت گویا اس آیت کی تفسیر بیان کی جاتی ہے یہ حکایت دیکھ کے عیسائیوں کو موقع اچھا لگا انہوں نے فوراً اسے دنگا میری کر کے شائع کر دیا اور دوزخ کا راز بھی اسے رسول کریمؐ کی شان میں ہزاروں نامالایم الفاظ کہہ دیئے اور اپنی اس بزدلانہ عقیدہ پر خوب ہی غلیں بجائیں مسلمان فی حقیقت اس ریت ہی کو نہیں سمجھتے اور نہ انہوں نے اس کے اصلی معنوں پر غور کیا اور نہ خدا سے تعاضے کی مرضی کی اس میں جستجو کی کسی نے کچھ اس کے معنی لکھے اور کسی نے کچھ مگر سب اہل کفر و فساد کی ہے اور بعض ایک فرضی قصہ کی بنا پر جو آغاز نبینؐ ہجری سے مشہور چلا آتا تھا سب اسی قصہ کو اس آیت کا شان نزول شمر کے وہ نئے نئے معنی اسے پہناتے ہیں جو بکا

سرور پیر اور عیب فاشی کی بات تو یہ ہے کہ ایک ہی فقہ امدادی میں اختلاف کوئی راوی کچھ بیان کرتا ہے اور کوئی کچھ۔ جب خاص ایک ہی واقعہ میں اختلاف ہے پہر کیوں کہ جو ہیں آسکتا ہے کہ وہ واقعہ تھا ہوگا۔ جس آیت پر مفسرین نے مخالفت کیا ہے وہ آیت قرآن مجید کی یہ ہے **وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي بَعِثْتُ لَكُم مِّن بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ رَسُولًا مُّذَكِّرًا**۔ اور اس آیت سے بعض نے بعض اذواق سے کوئی بات خفیہ یا رازدارانہ کہی ہے اس عورت نے وہ راز افشا کر دیا اور آپ کو خدا نے تعالے نے اس کی خبر دیدی اور آپ نے ان میں سے بعض نے اعراض کیا اور ہر آپ نے اس عورت سے پوچھا کہ تجھے کہاں سے خبر ہوئی اس نے کہا خدا نے حلیم نے مجھے خبر دی ہے۔ اس راز سے ایک حکایت بنائی گئی ہے اور وہ ایسی ہی لغو ہے کہ بجا سر نہ پیر خیر ہم اس حکایت کو تو بھی نقل کریں گے پچھلے ہم اس آیت کو دیکھتے ہیں کہ اس کے کیا معنی ہیں۔ اس آیت سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی راز کی بات نہی جو آنحضرت نے اپنی کسی بی بی سے کسی نہی اور وہ اس نے نہیں چھپائی اور وہ بات دوسری سے ذکر کر دی اور میں سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں آتا اب رہا یہ کہ وہ راز کیا تھا جو ظاہر کر دیا گیا اور وہ ایسا کونسا عظیم امر تھا کہ جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا۔ یہ بات نے بحقیقت خور کرنے کی ہے اور بغیر مزید توجہ کے سمجھیں نہیں آئے گی۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ رسول کریم کو عورتوں کی اصلاح ہی مردوں کے برابر منظور تھی کہ آپ چاہتے تھے کہ جو عیب بعض مردوں کی ناقصی سے عورتوں میں آگئے ہیں وہ چاہتے رہیں۔ آپ نے ہزاروں صورتیں ان کی اصلاح کی نکالی تھیں اور خداوند تعالیٰ کی یہ مرضی تھی کہ خاتم النبیین کے ہاتھ سے عورتوں کی اصلاح ہو جو نبی بی بیوں سے آئے تھے صحیح کیا تھا اور متعدد نکاحوں سے آپ کی غرض کہ ان ہی کے ذریعے سے عورتوں کی اصلاح کا سلسلہ جاری ہو گا وہ بی بیوں کی ہی بنی ہو اور ملک کی رہنے والی تھیں جن میں عورتوں کی نفرت کا نہ ہر ملا جلا تھا اور ثابت یہی تھی کہ عورتوں کو ظلم سہتے سہتے اخلاق ہی بہت بگڑ گئے تھے اور یہ فطری قاعدہ ہے کہ جب ابتدا سے کسی پر جاوے یا زیادہ دباؤ ڈالا جائے گا تو ضرور اس کے اخلاق میں خرابی پیدا ہو جائے گی ان ہی عورتوں کو آپ کو سابقہ چڑھا اور آپ نے ان ہی کے ذریعے سے اصلاح کرنی چاہی تو یہ بات اس وقت تک ممکن نہیں ہو سکتی تھی جب تک خود وہ عورتیں تعلیم یافتہ نہ ہو جاتیں۔ یہ ایک بڑا ضروری امر تھا۔ آپ نے انہیں تعلیم دینی شروع کی اور آپ نے ہر پہلو جانی معاشرت اور روحانی صفات کا انہیں بتایا کہ رازداری کیسی اعلیٰ درجہ کی چیز ہے اور رازداری سے کس قدر فوائد ہیں شوہر و زوجہ میں اتحاد و قائم ہونے اور بی بی کی وقت شوہر کی نظروں سے ہونے کی پہلی سیڑھی رازداری ہے۔ آپ نے ممکن ہے کوئی معمولی بات فرمائی ہو اور تاکید کر دی ہو کہ دوسری بی بی سے ذکر نہ کرنا اور اس نے اپنی عادت مستقرہ کے مطابق ذکر کر دیا ہو اور پھر اس کے راز کے افشا کرنے پر خدا نے تعالیٰ کی طرف سے اعتراض نازل ہو گا کہ ایسا کرنا زیادہ تھا۔

سکھایا ایک زبردست تعلیم تھی جو مستورات کو دینی کئی اور اصل پر ہے کہ رازداری کی تعلیم سے زیادہ اور کوئی تعلیم
 ہو ہی نہیں سکتی چوں کہ عورتوں کی معاشرت ابتدا سے بہت ہی کمزور ہو گئی تھی اور ان کے دل ہی نہایت کمزور
 تھے اور راز کو افشا کرنے کا حیب اگر کمزوروں میں بھی نہ یاد ہوتا ہے مگر عورتوں کو سہارا نہیں ہوتا اور وہ
 محض اپنی سادہ لوحی سے اپنی بھولیوں سے کہہ دیتی ہیں اور اس سے فساد کا بہت بڑا اندیشہ ہوتا ہے پہلے
 لازم تھا کہ اس کی بابت تاکید کی جاتی اور جس پر رائے میں بیان کیا گیا ہے سوائے اس کے اور کوئی پر ایہ
 بہتر ہی نہ ہو سکتا تھا۔ اگر راز کے افشا کرنے پر اہمات المؤمنین کو فراموش نہ کیا جاتی تو اس کا زیادہ اثر و نمودوں
 کی مستورات پر نہ پڑتا مہذا تو ان اسلام بھل گئی کہ جب راز نہ پوشیدہ رکھنے پر ازواج پاک پر یہ نکل جاتی تو ہم کس
 گنتی میں ہیں۔ یہ ایک تازیانہ ہے جو عورتوں کی اس کمزور فطرت پر لگایا گیا ہے جس سے وہ راز کو نہ چھپا سکتی
 تھیں اور انہیں ضبط نہ ہو سکتا تھا۔ ظاہر نظروں سے دیکھا جائے تو یہ ایک معمولی بات معلوم ہوئی ہو مگر غور
 کرنے کے بعد کھلے گا کہ اس سے بڑا حیب انسان میں اور ہو نہیں سکتا کہ ایک کارا راز دوسرے سے کہو کہ
 اور منع کرنے پر ہی باز نہ آئے۔ دنیا کے تمام کاموں کا دار و مدار محض راز کے پوشیدہ ہونے پر ہے جس کا کام
 راز چھپا ہوا ہے وہ برابر چلتا رہے گا اور جہاں راز کھلا ہے اس کا قیام محال ہو جائے گا۔ چھوٹے کاموں سے
 لے کے سلطنت کے عظیم الشان معاملات تک سب میں راز موجود ہے اور گویا ہر کام کی بنیاد ہی پر چھنی جاتی
 کل سلطنتیں خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی اپنے رازوں کے پوشیدہ رہنے پر زندہ ہیں اگر کسی سلطنت کا راز کھلی جائے
 تو ہوس کی بنیادیں ہل جائیں اور ہر وہ سنبھلے ہی نہ سنبھلے۔ یہ ایک بہت بڑی تعلیم تھی جو رسول کریم نے اپنی
 ازواج پاک کے پردہ میں عورتوں کو دی۔ اب یہ کھج لگانا کہ وہ کیا راز تھا عجب ہو۔ اس راز کے دریافت کرنے
 میں جبکہ ہمارا کوئی دینی یا دنیاوی فائدہ نہیں ہے اور لطف یہ ہے کہ رسول کریم نے ہی بیان نہیں فرمایا بلکہ پھر
 ہے کہ ہم اس میں جدوجہد کریں اور خواہ مخواہ اپنے عزیز وقت کو ضائع کریں۔ اگر فرض کرو میں راز کا کچھ لگ گیا تو
 کیا فائدہ ہو نہ کہ کچھ لگا دھم نے اپنے قباس سے خود بخود سمجھ لیا اور وہ نہ ہوا تو ہمارے عاقبت خراب ہوئی۔
 خور کا مقام ہے کہ نبی کریم کے خانگی معاملات کی جس طرز سے تصویر یا تارسی گئی ہے وہ ہمارا دھڑنا زیا ہے۔
 اپنے خانگی حالات کو جب بغیر خدا نے خود نہیں بیان فرمایا اور بعد ازاں راویوں نے اپنے اقوال کی صداقت بجا
 کے لئے ان روایتوں کی جن کے حقیقی اسی وہ خود تھے ازواج پاک سے نسبت دی سب کچھ کی بات ہے جو رسول
 کریم نے مردہو کے زن و شوئی کے تعلقات نہیں بیان کئے تو اہمات المؤمنین عورتیں ہو کے کیوں کہ بیان
 کرتیں۔ یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ جس امر پر ایک جماعت کا اتفاق ہو وہ ضرور صحیح ہی ہو ہم ماننے میں کہ کم و بیش
 کل محدثوں، معضوں اور مفسل نے اختلاف کے ساتھ ان روایتوں کو تسلیم کر لیا ہے جو ازواج پاک کی
 زبان سے بیان کی گئی ہیں مگر ہم کیا کریں جب کائن کا اختلاف عظیم خود ان کے سر تا پا غلط ہونے کی نشاندہ
 دے رہا ہے مثلاً شیعوں نے جو کچھ حضرت بی بی عائشہ کا حال لکھا ہے اسے سنی کیوں نہیں ماننے اور جو کچھ

شیعوں نے فلسفہ کیا ہے اسے کیوں نہیں تسلیم کرتے اور کچھ خارجی کہتے ہیں اسے یہ دونوں فرقہ قبول نہیں قبول کرتے اس کا جواب غالباً یہی دیا جائے گا کہ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کی روایات کو غلط سمجھتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اولہ بعد ان روایات کا اس نے حاصل کیا ہے ہی سراسر غلط ہے ثبوت ہر فرقہ کے پاس موجود ہے مگر ایک فرقہ کا ثبوت دوسرے کے آگے صداقت کی کافی شہادت نہیں ہو سکتا مثلاً طیبہ اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ حضرت نبیؐ کی فاکشہ ٹہنی کریم کی دشمن تھیں اور انہوں نے نبیؐ کی حصصہ سے مشورہ کر کے کسی بارہ رسول کریم کو نہر دینے کا قصد کیا مگر موقع نہ ملنے کی وجہ سے ان کی آرزو دل کی دل ہی میں بگیتی سچی اس واقع سے محض اٹھا کر لے گئے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کو رسول کریمؐ سے کیسی محبت تھی اور آپؐ ان پر کس قدر مہربان تھے مہمانک جب آپؐ پر مرض کا زور ہوا ہے آپؐ ہی کے سبک انچورہ میں لکھو وصال بارہی ٹھلے ہوا۔ اب ایک محقق شخص جب ان دو متضاد روایتوں پر نظر کرے گا تو ان سے کیا نتیجہ نکالے گا اور کس کو صحیح اور کس کو غلط بتائے گا۔ اسے فی الحقیقت بہت ہی بڑی دقت ہوگی اور جب وہ دونوں کے ثبوتوں کو دیکھے گا تو اسے اور بھی پریشانی ہوگی کہ اس ثبوت کا کیا مطلب ہے اور کیا اسے قائم کرے یہی اس وقت ہمارا ہی کیفیت ہے اور ہم صحت پریشان ہیں کہ ثبوتوں کو کیوں کر تسلیم کریں۔ ہر فرقہ نے اپنا دعوٰی مضبوط کرنے کے لئے خود ان ہی کے زبانی اقوال بیان کئے ہیں تاکہ سننے والے کو ہر کچھ شہابی نہ رہے اور وہ بے چہرہ و چہرہ العین کر لے۔ مگر اس قسم کے اقوال زیادہ تر فریقین کی مخالفت سے پیدا ہو گئے ہیں ورنہ انکے مضبوط ہونے کی کوئی جہ نہ ہوتی۔ یہ ہم نہیں کہتے کہ یہی روایتوں کا دفتر دیا برو کر دینے کے قابل ہے بلکہ جو ہمارا منشاء ہے وہ یہ ہے کہ صحیح اور اصلی اقوال ہی ضرور ہوں گے مگر غلط واقعات اور صحیح انتہا مات بہت ہیں۔ جسے عقل کہی گوارا نہیں کرتی اور ہرگز نہیں خیال آتا کہ کہی ایسا ہوا ہو اور ایک دلیل القدر نبیؐ ایسا فعل ہے جو محض جمہولی آدمی کی وضع کے ہی خلاف ہو مثلاً اسی اور پر زبانی بحث کے متعلق کہ حضرت نبیؐ کی عائشہؓ نے رسول کریمؐ کا ازار افشا کر دیا تھا اس کی نسبت مجمع البیان طبریؒ میں بخوبی گروہ کی ٹہنی معتبر قرآنی تفسیر ہے یہ لکھا ہوا ہے

لوقیل ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسدا لا یامین النساء فلما کان یوم حفصة قالت یا رسول اللہ ان لی المناہی حاجۃ فاذن لی ان ازورہ فاذن لہا فلما خرجت ارسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی جاریۃ مادیۃ الفبطیۃ امراہم و قد کان اھداھا المقوقس فاذا دخلت بیت حفصة فوقہ علیھا قالت حفصۃ فوجدت اباب مقلفا فجلس عند اباب فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ووجھہ یظہر حیا فقالت حفصۃ انما اذنت لی من اجل هذا اذ دخلت امتک بیتی ثم وقت علیھا فی یومی وعلی فراشی ما دایت فی حیوۃ وحقا فقال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللیس حی جاریتی قد اخل اللہ ذلت لی اسکتی وھی حرام علی النفس بذات رضا ولا تجوی بذات امرائہم وھو عندک امانة فلما خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبرعت حفصۃ ابحجار الذی بینھا وبن عایشۃ فقالت لا ابتلک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قد حرم علیہ امة ماریۃ و

قد ارضاہ منها وبصوت عایشہ ماریت وکاتما متعاقبتی متعاقبتی من حلی ساوا وواجه فزلت یا اباہی لہم قر
ما حل لہ انہ فا حکل مائد شعة و عشرین یوما و قد فی مشربہ اما بلہیم و مارہ حتی نزلت ایہ الخبیر
وقیل ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلا یوما لعایشہ مع جادیۃ القبطیۃ فوخت حصۃ علی ذلک فقال لہا
مرہول امہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تلعلی مایفۃ بذہن و حرم ماریۃ علی نفسہ ما علمت حصۃ مایفۃ و
ہستکتہا یاہ فاطمہ اللہ بینہ علی ذلک و هو قولہ تعالیٰ واذ النبی الی بعض ازواجہ حدیثا فی حصۃ ولما
حرم ماریۃ القبطیۃ اخبہ حصۃ انہ یلک من جدہ ابوبکر و عمر فہما بعض ما فشت من اخبروا عرض عن
بعض ان ابابکر و عمر یلکان جدی و قریب من ذلک ماروا ابیہاش بالاسناد عن عبد اللہ بن عطاء المکی عن
ابن جعفر علیہ السلام لا انہ ناد فی ذلک ان کواحد منہما حدثت اباباہ ذلک فاجتہد فی امر ماریۃ و ما
افتتا علیہ من ذلک و اعرض ان یعانیہما فی الامرا لا خوا فہی یعنی کہتے ہیں کہ رسول کریم نے اپنی رائیں اپنی
بی بیوں میں تقسیم کر رکھی تھیں جس دن حضرت بی بی ہفصہ کی باری تھی انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اپنے
والدہ سے کچھ کام ہے اگر حضور انوکھ فرمائیں تو میں ہو آؤں۔ آپ نے اجازت دیدی جب بی بی ہفصہ باہر نکل
گئیں تو رسول کریم نے اپنی کنیز ماریۃ قبطیہ کو جو ابراہیم کی ماں تھی اوجسے مقوس ہے ہڈی بیجا ہوتا بلوایا۔ وہ
اٹی آئی آپ نے اس سے مقاربت کی پھر حصۃ گئیں تو انہوں نے دروازہ کو بند دیکھا وہ دروازہ سے لگے
ہو بیٹھیں۔ پھر حضور انور باہر تشریف لائے آپ کے مبارک چہرے سے پسینہ ٹپک رہا تھا ہفصہ نے دیکھتے ہی
کہا کہ میرے بھروسے تو نہ تھی سے ایسا فعل کیا اور میرے ہی بہتر براہ و تو نے نہ میری حرمت کی اور نہ
میرے حق کی طرف خیال رکھا۔ حضور انور نے ارشاد کیا ہفصہ تو جانتی ہے کہ خدا نے تعالیٰ نے یہ کریم میرے
لئے طلال کی ہے مگر تو خاموش رہ کر میں اسے آئندہ سے اپنے اوپر حرام کر لیتا ہوں۔ میں صرف تیری بی بی
جاہتا ہوں تو ادبی بیوں سے اس کی فیم نہ کجویہ بات میرے پاس امانت ہے جب حضور انور رسول کریم باہر
تشریف لائے تو بی بی ہفصہ نے حضرت بی بی عائشہ کی دیوار میں ایک سوراخ دیہ دیوار بی بی عائشہ اور بی بی ہفصہ
کے عجزوں کے بیچ میں تھی کہو کہ کما کہ میں تجھ ایک خوشخبری سناتی ہوں وہ یہ ہے کہ رسول اللہ نے اپنی کنیز
ماریۃ قبطیہ کو اپنے اوپر آئندہ سے حرام کر لیا ہے خدائے ہمیں اس کے فکر سے نجات دی۔ اس کے علاوہ
جو کچھ دیکھتا تھا اس کی اطلاع ہی بی بی عائشہ کو دیدی۔ یہ دونوں رسول کریم کی کل ازواج کے مقابل میں باہم
جری دوست تھیں امدان میں اتفاق ہی زیادہ تھا پھر یہ آیت نازل ہوئی اونی جو چیز خدا نے تجھ پر حلال کر لی
ہے وہ تو نے اپنے اوپر حرام کیوں کر دی۔ اس آیت کے نازل ہونے پر آنحضرت نے ۱۰۰ دن بی بی عائشہ
سے صحبت ترک کر دی اور ماریۃ قبطیہ ابراہیم کی ماں کے بالا خانہ پر رہے۔ دوسری روایت میں یہ سن کر کہ رسول
کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بی بی عائشہ کے بھروسے ماریۃ قبطیہ سے مقاربت فرما رہے تھے کہ بی بی ہفصہ نے
دیکھ لیا آنحضرت نے منع فرمایا کہ عائشہ سے اس کا تذکرہ نہ کیجی میں نے ماریۃ کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہو لیکن

بی بی حفصہ نے کہہ دیا اور بی بی عائشہ سے تاکید کر دی دیکھو یہ بات کھٹنے نہ پائے مگر خدا نے تعالیٰ نے رسول کریم کو اس معاملے کو دیا پہرہ امت نازل ہوئی دادا سنا بنے ایچنا ذوالحجہ ۱۱ھ یعنی حفصہ اور جب ملیہ قطیفہ کو اپنے اوپر حرام کیا تو حفصہ کو اطلاع دی کہ میرے بعد ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے اس سے اعراض کیا ہے لیکن صحیح یہی ہے جو میاشی نے بالاسناد عبداللہ بن عطاء اللہ امدابی جعفر سے روایت کیا ہے کہ دونوں بی بیوں نے اپنے اپنے باپ کو خلافت کی خبر دی اور جو بی بی رسول کریم کو اس کی خبر پہنچی تو آپ نے دونوں پر عتاب فرمایا (مار بقطیفہ کے معاملہ میں) چونکہ انہوں نے رسول کریم کا راز افشا کر دیا تھا اس سے آپ نے اعراض کیا وغیرہ وغیرہ روایت ہے جو بیان کی گئی ہے اور یہ واقعہ ہے جو رسول کریم کے سر پر چڑھایا گیا ہے۔ اب ہم اس روایت کی اصلیت پر نظر کرتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں کہ اس روایت میں صداقت کہاں تک ہے۔ سرسری توجہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ روایت میں جو واقعے نقل ہوئے ہیں وہ کس صورت سے ہی قرین قیاس نہیں معلوم ہوتے مثلاً پہلی روایت میں تو یہ بیان ہوا ہے کہ رسول کریم بی بی حفصہ کے حجرہ میں آئے کیوں کہ اس دن اُن کی باری تھی پہر بی بی حفصہ نے کہا کہ مجھے کچھ کام ہے میں اپنے باپ کے پاس جاتی ہوں۔ خیال نہیں ہو سکتا کہ خاص ایسی دن انہیں کوئی کام نکلا ہو کیونکہ نوں یا دسویں دن من کی باری آتی تھی اس صورت میں ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ وہ اپنی باری کے روز چلی جائیں جبکہ اور دن انہیں ملنے ملانے کے کافی طور پر مل سکتے تھے نہ اس روایت میں یہ بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو آدمی بھیج کے بلایا ہوتا کہ یہ بھجا جائے کہ کوئی ضرورت مل آئی ہوگی اس لئے خاص باری کے دن جانا ضرور ہوا۔ اچھا اسے بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آپ تشریف لے گئیں تو پہرہ خیال نہیں ہو سکتا کہ رسول کریم نے بلقیطہ کو وہاں کیوں بلایا جبکہ ملیہ قطیفہ کا مکان علیحدہ رہنے کا تھا آپ وہاں جا سکتے تھے اور وہ بہت ہی قریب تھا کچھ فاصلہ پر ہی تھا کہ وہاں جانا دشوار ہوتا۔ اور اگر یہی فرض کر لیں کہ آپ نے اسے بلایا اور آپ نے اس کے ساتھ مقاربت بھی کی اور بی بی حفصہ نے دیکھ ہی لیا اور آپ خفا بھی ہوئیں تو رسول اللہ نے اس قدر خوف کیوں کہا یا اور اچھا یہی فرض کر لو کہ آپ کا خوف کہنا لازمی تھا تو پھر اس ارشاد کی کیا ضرورت تھی کہ میں حج سے اسے اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے تو عائشہ سے اس کا ذکر نہ کیجئے۔ حضرت بی بی عائشہ سے اس امر کو چھپانے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی جبکہ اُن کے حجرہ میں یہ داخل ہوا اُن دن اُن کے باری کے روز یا یہاں ہوا پھر اُن سے اندیشہ کرنا کیا معنی رکھتا تھا۔ یہ اس قدر بے معنی استلال ہے کہ سمجھتے ہیں یا نا اور خیال ہو سکتا ہے کہ ایسی روایت کا موضوع کرتے والا کس قدر ضلئلہ اور فہمیدہ شخص ہو گا۔ اور اگر یہی تسلیم کر لیں کہ آپ حضرت بی بی عائشہ سے کوئی اندیشہ تھا اس لئے آپ نے منع فرما دیا تھا تب بھی اس میں کوئی اندیشہ کی بات نہیں معلوم ہوتی۔ یہ تو مل ازواج اہل بیت خصوصاً حضرت بی بی عائشہ کے لئے نہایت خوشی کا موقع تھا کہ ملیہ قطیفہ جس پر اب ہم کے پیدا ہونے کی وجہ سے رسول اللہ کی زیادہ توجہ بیان کی جاتی ہے حج نبی نے اپنے اوپر

حرام کر لیا یا دوسرے الفاظ میں اسے چھوڑ دیا۔ جو میں نہیں آتا گا ایسی روایت کے چہانے سے کیا فائدہ تھا اور کیوں اندیشہ کیا گیا۔ اور پہرے کے قرآن مجید کی آیت لکھی گئی ہے جس کا یہ ضمنوں سے کہ جس چکر میں تجھ پہ جلال کر دیا سے تو اسے اپنے اوپر کیوں حرام کرتا ہے اور اس آیت کے نازل ہونے پر ازواجی آیت کے اترنے سے آپ ناماض ہو گئے اور ۲ روز آپ نے کل ازواج کی یا ان دو بیویوں کی صورت نہیں دیکھی اور ماریہ قطیبہ کے برآمدہ یا بالا خانہ میں سکونت پذیر رہے۔ یہ بھی عجیب متضاد ضمنوں سے جس کا سر نہ پیر پچھے تو آپ کو اس قدر غور فرمادیا کہ جس کی انتہا نہیں یعنی آپ کو یہ خوف ہوا کہ اپنی حرم اپنے اوپر حرام ہی کر لی اور زیادہ خوف طاری ہوا تو یہ وعدہ کر لیا کہ میرے بعد ابو بکر و عمر خلیفہ ہوں گے اور دوسری ہوتی تو اسعد کہ ۲ دن ماریہ قطیبہ کے بالا خانہ میں رہے اور کسی دوسری بی بی سے بات بھی نہ کی اور پھر کسی بی بی کا نہ رہا نہ ہوا کہ ایک بات بھی تنہ سے نکالتی اور ذابھی زبان ہلاتی بخیال ہو سکتا ہے کہ جب رسول کریم کی جرأت کی یک کیفیت تھی کہ آپ کسی بی بی کی پروا نہ کرتے تھے اور ایک ہی کے پاس عینہ عینہ بہرگز نہ گزرتے تھے پھر آپ کو ضرورت کیا تھی کہ آپ بی بی حفصہ سے خوف کھاتے اور ڈر کرے مارے اپنی چاہتی ماریہ قطیبہ کو اپنے اوپر حرام کر لیتے اور انہیں شکین دیتے اور اپنے سے خوش رکھنے کے لئے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو قبل از وقت خلافت سوچ دیتے۔

ایک صورت تو اس روایت کی یہ ہوتی۔ دوسری صورت یہ بیان ہوتی ہے کہ نہیں بی بی عائشہ کے حجرہ میں ایسا کیا تھا اور بی بی حفصہ نے دیکھ لیا اور آپ نے منع کیا تھا کہ عائشہ سے نہ کہنا اور بی بی حفصہ نے راز کھلی دیا۔ ہاں اس اختلاف فی روایت میں یہ بات دیکھنے کی ہے کہ جب حضرت بی بی عائشہ تو اپنے حجرہ میں تھیں اور بی بی حفصہ نے رسول کریم کو ماریہ قطیبہ کے ساتھ مشغول پایا تو یہ فعل اگر اسے خرم قرار دیا جائے بی بی عائشہ کا کیا توہر کیا جہ تھی کہ رسول کریم بی بی حفصہ سے ڈرے اور کیوں ان کے خوف سے ماریہ قطیبہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور کیوں خلافت کی بشارت دی جبکہ ان کا کوئی جرم نہیں کیا تھا ہر خوف کھانے کے کیا معنی تھے۔ دوسرے حضرت بی بی عائشہ کی باری کے دن بی بی حفصہ کا آن کے حجرہ میں چلا جانا یہ طلق سمجھ نہیں آتا اور نہ یہ خیال میں آتا ہے کہ بی بی عائشہ حجرہ میں سے نکل کے کہاں گئی تھیں جبکہ سلام میں پردہ ہو گیا تھا اور قرآن مجید میں صاف آگیا تھا کہ جب نبی کی ازواج سے باتیں کرو تو دروازہ کے باہر ہو کے اور اگر یہ کہیں کہ وہ بھی اپنے باپ کے گھر گئی تھیں تو حضرت ابو بکر کا مکان تو مسجد نبوی سے کوئی تین میل کے فاصلہ پر تھا ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت بی بی عائشہ اپنی خاص باری کے دن اپنے باپ کے ہاں چلی گئی ہوں جبکہ وہ ایک ہفتہ میں چاہے جس دن جاکشی تھیں ۱۰ اور اگر یہ کہیں کہ وہ روزانہ کی باری کا نہ تھا اور رسول اللہ یوں ہی چلے آتے تھے تو یہی سمجھ نہیں آتا کہ حضرت بی بی عائشہ کا مکان سنگ مرمر کا محل تھا اور ماریہ قطیبہ کا بالا خانہ تھا اور رہنے کے قابل نہ تھا اسلئے آپ با

تو نہیں رہے اور یہاں مار یہ قبطیہ کو لیک چلے آئے۔

ان دو مختلف روایتوں کی یہ توضیح ہے جو ہو سکتی ہے۔ خیال نہیں ہو سکتا کہ شمر برابر ہی میم ہوں ہیں شخص نے یہ روایتیں موضوع کی ہیں وہ تباہی بہت کم فصل کہ اس نے مذکورہ بالا توضیحات پر ذرا ہی غور کی حضرت ابی جعفر سے اس روایت کا نسبت دینا زیادہ مشکل نہیں ہے جبکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے لاکھوں موضوع حدیثوں کا پتہ لگتا ہے۔ عیاشی ہوں یا کی۔ شامی ہوں یا مدنی جس نے یہ روایت نقل کی ہے اس میں جوئے اسلام طلاق نہ تھی۔ اب یہ دیکھنا کہ مجمع البیان طبری میں یہ روایت کیونکر نقل ہوئی کیوں کہ وہ شیعہ مذہب کی ایک معتبر تفسیر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ روایت میں وہی مخالفت کی ہو آتی ہے جو بتائے سنین ہجری میں ہجرتی سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں پیدا ہو گئی تھی، اجماع سلسلہ ابھی تک جاری ہے اور شامی مخالفت کا سبب تھا کہ آج اسی قسم کی لاکھوں روایتیں جو کبھی بھی میم نہیں ہو سکتیں کتابوں میں منضبط ملتی ہیں۔ اول اول مخالفت ملتی تھی مگر بعد ازاں یہی مخالفت مذہبی ہو گئی۔ اور اس سے موضوع روایات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مخالفوں پر تازہ تازہ ہتھان اٹھانا اور انہیں ہجو و تلام نہانا بلکہ انہیں شب و روز گالیاں دینا مذہب کا جزو عظیم بن گیا۔ قرآن مجید کی آیتوں کو خاص ایک کلمہ کے لئے مخصوص کرنا اور اپنی موضوع روایت کا مطلب نکالنا یہ تیسری صدی ہجری کے وسط سے شروع ہو گیا تھا۔

کسی روایت کے ساتھ کوئی سند ایسی نہیں بیان کی گئی ہے جسے خواہ مخواہ تسلیم کرنا پڑے۔ اور لطف یہ ہے کہ اکثر روایتیں تمدن عرب کے بھی باطل خلافت میں اور ان میں ایرانی تمدن کا رنگ پایا جاتا ہے کیوں کہ اکثر شامی ایرانی نژاد ہیں اور کوئی ثبوت اس کا نہیں ہے کہ وہ شامی مسلمان ہی تھے یا نہیں۔ عقل شہادت نہیں دیتی کہ حضرت ابی جعفر علیہ السلام اپنے تانائے خاکی تعلقات عام طور پر بیان کریں گے اور انہیں ذرا ہی حجاب دے آئے گا۔ ایسی روایتوں سے اسلام کا بھی کوئی اصول نہیں نکلتا تھا اور نہ کسی خاص اُتھے ہوئے مسئلہ کی توضیح ہوئی تھی۔ حضرت ابی جعفر علیہ السلام اس میں شک نہیں کہ اہلبیت کے چراغ تھے اور کاش آپ کی کوئی خاص کتاب یا کوئی نوشتہ ہوتا اس کی صداقت میں پہرہ کبھی ہی کلام نہیں ہو سکتا تھا۔ آپ سے دوسروں نے جن میں اکثر ایرانی نژاد تھے اور جو مخالفت سے باطل مشاغل میں تھے یہ روایتیں بیان کی ہیں یہی وجہ ہے کہ بخاری نے جب کبھی لاکھ حدیثوں کا انتخاب کیا ہے تو اس میں اہل بیت کی روایتوں پر زیادہ نظر نہیں کی اس کی وجہ یہی ہے کہ اسے ایسی روایتوں کا ڈھیر ملا جلالت کی توثیق نہیں مگر ان کے نام سے رواج پانگئی نہیں اگرچہ اس وقت تک وہ کسی کتاب کی صورت میں منضبط نہ ہوئی تھیں لیکن ان کی اشاعت فریق مخالفت میں پورے طور پر ہو گئی تھی۔ اس نے کوشش تو ضرور کی ہو گی کہ ان صحیح روایات کا پتہ لگے جو واقعی ان کی ہو سکتی ہیں مگر ایک مخالفت گروہ کی مخالفت کے

